گلشن میں دھوم پر ہے جو نغمہ ہزار کا
دیواں سنا رہے ہیں نسیم بہار کا

کلیاتِ نسیم میسوری

بانکے نواب محمد حسین علی سلطان قریشی نسیم میسوری

مرتبہ

میر محمود حسین ایم اے

لیکچرر فارسی، ڈپارٹمنٹ آف پوسٹ گریجویٹ سٹڈیز اینڈ ریسرچ ان اردو
جامعہ میسور

ناشر

اردو لائبریری سنٹر
پوسٹ بکس نمبر 557
نمبر 37 سٹی مارکٹ بنگلور

طبع ثانی اپریل سنہ ۶۹ء (بنشاط پریس) قیمت

(جملہ دائمی حقوق بحق پبلشر محفوظ)

میرے دیواں کو پری کہتے ہیں ساغر نامہ

(نسیم)

قیمت کور: ٣/٥٠
مجلد: ٤/٥٠

اِنتساب

میں اپنی اس ادبی پیش کش کی دوسری اشاعت کو اپنے محترم اور مہربان دوست جناب ڈاکٹر شیخ علی صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی (علیگ)، پی ایچ ڈی (لندن) پروفیسر و صدر شعبۂ تاریخ جامعہ میسور کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں جو اپنی گوناگوں علمی اور فنی صلاحیتوں کے علاوہ ادبی ذوقِ سلیم کے بھی مالک ہیں ۔

میر محمود حسین

★

دیباچہ طبع ثانی

نسیم میسور کے نمائندہ شاعر ہیں اور ان کے کلام کو اس ریاست میں سب سے زیادہ حسن قبول اور قبولِ عام حاصل ہوا ہے آج سے بیس پچیس برس پہلے ان کا مختصر سا مطبوعہ دیوان میرے ہاتھ لگا تھا۔ ڈاکٹر خضر علی خاں صاحب 'ام۔ اے'، پی۔ ایچ' ڈی (کنٹب) وظیفہ یاب پروفیسر اردو فارسی و عربی و پرنسپل، مہاراجہ کالج، میسور اور سلطنت خداداد کے مشہور و معروف مورخ محمود خاں صاحب مارسٹرنِ محمود بنگلوری مرحوم کی تحریک و تشویق سے میں نے نسیم کا سارا غیر مطبوعہ کلام جمع کیا اور سنہ ۱۹۵۸ء میں اپنے مقدمے کے ساتھ 'کلیاتِ نسیم میسوری' شائع کیا تھا، اس اشاعت کے نسخے ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ اور بہت جلد ختم ہو گئے۔ جامعہ میسور نے ہمت افزائی کے طور پر کچھ مالی امداد بھی دی' آج یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے' بازار میں کہیں اس کا ایک نسخہ تک نہیں ملتا حالانکہ مانگ بدستور جاری ہے، وہ فرم بھی باقی نہیں رہی جس نے اسے پہلی مرتبہ شائع کیا تھا۔ بڑی مسرت کا مقام ہے کہ اردو لائبریری سنٹر بنگلور کے جواں ہمت اور جواں سال مالک سعیداللہ حبیب اللہ صاحب نے اس کی دوسری اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، یہ کلیات آپ ہی کے ذوق و محنت سے دوسری مرتبہ منظر عام پر آرہا ہے، میں نے نسیم کا غیر مطبوعہ کلام مخزن الفصاحت کے مخطوطے اور مختلف اور متعدد

بیاضوں سے حاصل کیا تھا۔ یہ مخطوطہ عبداللہ شریف صاحب افضل، مالکِ شریف بک ڈپو، میسور، سے جامعہ میسور نے خرید لیا ہے اور اب یہ اورنیٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ کے اردو فارسی اور عربی مخطوطہ ذخیرے کی زینت بنا ہوا ہے۔ بفضل خدا آج اس ادارے میں ایک ہزار کے لگ بھگ نہایت ہی قیمتی اور کارآمد اردو فارسی اور عربی مخطوطات جمع ہو چکے ہیں۔ جامعہ میسور کی مہربانی اور ہمت افزائی کی بنا پر دس سال سے میں مخطوطات کی فراہمی پر نگار رہا ہوں اور اس شعبے کی نگرانی پر بھی مامور ہوں۔ نسیم کے حالات جمع کرنے میں معین الوزارت اے، کے، سید تاج پیراں صاحب سجادہ مرحوم اور مولانا عبدالرحیم صاحب میسوری مرحوم سے مجھے بڑی مدد ملی تھی۔ حال ہی میں جناب نواب میر رضا علی خاں صاحب المعروف بہ رضا شاہ خیری چشتی نظامی قادری سجادہ نشین درگاہ حضرت ابراہیم علی خاں صاحب رحمۃ شہید بنگلور سے ایک اور مخطوطہ کلام نسیم کا میسر ہوا۔ میں نے اس سے بھی مطبوعہ کلیات کا مقابلہ کر لیا ہے۔ آپ سے نسیم کے کچھ مزید حالات زندگی ملے ہیں۔ اور ان کو میں نے اس اشاعت کے مقدمے میں شامل کر لیا ہے، میں ان سب حضرات کا بدل ممنون ہوں

اس کلیات کی پہلی اشاعت بفضل خدا ملک بھر میں بہت مقبول ہوئی، رسائل و جرائد میں اس پر کافی ہمت افزا تبصرے شائع ہوئے اور اہل ذوق نے تعریف و تحسین فرمائی، امید ہے کہ اس دوسری اشاعت کو بھی حسن قبول حاصل ہوگا۔

میر محمود حسین

شجرہ ازواج واولاد نسیم صاحب مرحوم

بنگی نواب محمد حسین علی سلطان صاحب
نسیم حال نوتی
اپریل لہم ۲ سنہ ۱۸۸۸ء

زوجہ اول وکلان
خیر النسا بیگم دختر بنگی نواب
محمد جعفر علی خاں صاحب فرزند
بنگی نواب محمد قاسم علی خاں
صاحب

دختر خاص نسیم صاحب
زہرا بیگم عرف وزیر النسا بیگم
دختر نسیم صاحب مرحوم
زوجہ مولوی عبدالغفار صاحب

زوجہ دوم نسیم
یہ فرنگنی مسلمان ہوئی ہو
لاولد فوتی مسمی بادشاہ بیگم

زوجہ سوم نسیم صاحب
مطلقہ میس نیم
ساکن نیلگری

فرزند نسیم صاحب
چارلس نیم عیسوی
یہ فرزند نصارا ہو نیسے
محمدی لاسے محروم ارث

(نقل مطابق اصل)

نسیم کا شجرۂ نسب جو ان کے اکا پرہ میجر کیمپ بل نے سرکاری گزٹ مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۶۵ء میں شائع کیا تھا۔

(اس وقت نسیم ہرپورہ کے عملدار تھے)

- مریم بی بی خواہر فتح بہادر
  - دختر
    - فاطمہ بی بی
      - محمد زاہد
        - عائشہ بی بی
          - عبدالقادر
            - نسیم
          - محمد حسین

- محمد رضا علی خاں
  حیدر علی خاں کے ممیرے بھائی
  - محمد قاسم علی خاں
    - عزیز خاتون (خیر النسا بیگم)
      - محمد غنی رضا علی
      - امیر النسا بیگم
      - محمد جعفر علی
      - زہرہ بیگم
        - نسیم
  - محمد ابراہیم

(نقل مطابق اصل)

(نوٹ۔ محمد رضا علی خاں شہید حیدر علی خاں بہادر کے ماموں محمد ابراہیم علی خاں شہید کے صاحبزادے تھے جو بنگلور کے قلعہ دار تھے اور ایک معرکے میں شہید ہوئے، قلعہ بنگلور آپ ہی کی زیر نگرانی تعمیر ہوا تھا آپ کا مقبرہ اور اس سے ملحق مسجد کمہار پیٹ بنگلور میں واقع ہے)

۷۸۶

مقدمہ

خاندان نسیمؔ میسوری کا تعلق اس خاندان سے تھا جس نے بانی سلطنت خداداد نواب حیدر علی خان بہادرؒ اور شیرِ دکن ٹیپو سلطان شہیدؒ کو جنم دیا اور جس کے نیک نفس اور سرفروش افراد نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو سلطنت خداداد کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ آپ کے نانا کے دادا محمد ابراہیم علی خانؒ، حیدر علی خاںؒ کے ماموں تھے اور انھیں کی دختر نیک سیر فاطمہ بیگمؒ سے ان کا دوسرا نکاح ہوا تھا، جن کے بطن سے ٹیپو سلطان شہیدؒ پیدا ہوئے۔ حیدر علی خاںؒ نے اپنی جاگیر بنگلور کی قلعہ داری آپ کو سونپ رکھی تھی۔ وہ سری رنگ پٹن سے راتوں رات فرار ہو کر بنگلور پہنچے تو آپ نے ان کو پناہ دی اور اس آڑے وقت میں ان کے کام آئے، پھر آپ ہی کی مدد سے انھوں نے سری رنگ پٹن فتح کیا اور سلطنت خداداد کی بنا ڈالی۔ اس کے بعد آپ جب تک زندہ رہے وفاداری اور جاں بازی سے ان کا ساتھ دیتے رہے۔ جہاں ان کا پسینہ ٹپکتا وہاں اپنا خون بہا دینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ آپ کا مقبرہ کمہار پیٹ بنگلور میں آپ ہی کی بنائی ہوئی مسجد کے پہلو میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام بنا ہوا ہے۔ نسیمؔ میسوری کے بھانجے یہیں مقیم ہیں اور اس درگاہ کا اور اس سے متعلق جاگیر کا انتظام کرتے ہیں۔

محمد ابراہیم علی خانؒ کے ایک فرزند محمد رضا علی خاںؒ نے حیدر علی خاںؒ اور ٹیپو سلطان شہیدؒ دونوں کے عہد سلطنت میں بڑی شاندار فوجی خدمات

انجام دیں۔ سلطانی فوج میں میر میراں کے منصب پر فائز تھے۔ جو فوجی خدمات میں سب سے بلند درجہ منصب تھا۔ بڑے جاں باز مجاہد تھے۔ ساری عمر میدانِ کارزار میں کٹی اور دم آخر تک سلطان کے دشمنوں سے مصروف پیکار رہے۔ بنکی نواب آپ ہی کا لقب تھا۔ میسور کی صوبائی زبان کنڑی میں بنکی آگ کو کہتے ہیں۔ یعنے غصیلے، غضب ناک اور آتش مزاج نواب۔ وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ علاقہ کورگ میں باغی اور سرکش سرداروں کی سرکوبی کرتے ہوئے آپ نے ان کے گھروں اور کھیتوں میں آگ ہی لگادی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد لوگ آپ کو بنکی نواب کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ یہ لقب آپ کے بعد آپ کی نسل میں چلتا رہا اور اس گھرانے کے ہر فرد کے نام کے ساتھ اس کا استعمال ہوتا رہا۔ نسیم میسوری بھی اسی لقب سے ملقب رہے اور آج بنگلور میں اس خاندان کے جو افراد موجود ہیں، عام طور پر بنکی نواب ہی کہلاتے ہیں۔ لیکن نسیم میسوری نے اسے بدل کر بانکے نواب بنا لیا تھا۔ میسور کی چوتھی جنگ کے آغاز میں یعنے ٹیپو سلطانؒ کی شہادت سے لگ بھگ تین ماہ قبل محمد رضا علی خانؒ انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہوئے عین میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے گولی لگی اور اسی وقت رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کی شہادت سے میدانِ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ سلطانی فوج پسپا ہونے لگی۔ سلطان بہت ملول اور پریشان ہو گئے۔ اسی وقت نعش کو پالکی میں سری رنگ پٹن روانہ کر دیا۔ خود بھی پیچھے ہٹنے لگے، یہاں تک کہ پایہ تخت میں آکر محصور ہو گئے۔ یہ واقعہ عین رمضان میں ہوا۔ آپ کا مزار گنبد سلطانی کے چبوترے پر شمالی مغربی جہت قبروں کی تیسری قطار میں موجود ہے اور اس پر آپ کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

سلطنت خداداد کا آفتاب ٹیپو سلطانؒ کی شہادت کے ساتھ غروب

ہوگیا تو سری رنگ پٹن یا ظفر آباد کا معمورہ ویرانہ بن گیا۔ شہزادوں کو انگریزوں نے نظر بند کر دیا۔ پھر وہاں سے ویلور اور کلکتہ منتقل کر دیا۔ جاگیروں اور سیاسی پنشنوں سے امیر امراء کی اشک شوئی کر دی گئی۔ اہلِ علم و ہنر تلاشِ معاش میں اِدھر اُدھر نکل گئے۔ اس مرکزِ علم و کمال کی تباہی بغداد اور دلّی کی تباہی کی یاد تازہ کر دیتی تھی۔ بنگی نواب محمد رضا علی خاں شہیدؒ کے فرزند محمد قاسم علی خاں کو بھی انگریز فاتحوں نے جاگیر اور پنشن دے کر خاموش کر دیا۔ آپ کر بھی کیا سکتے تھے۔ شیرِ دکن کی شہادت اور ظفر آباد کی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ خانہ نشین ہو گئے اور یادِ الٰہی میں باقی عمر صرف کر دی۔ آپ نے بنگلور اور میسور میں دو کوٹھیاں تعمیر کرائی تھیں۔ بنگلور کی کوٹھی کمہار پیٹ میں واقع تھی اور میسور کی منڈی محلہ میں۔ دونوں شہروں میں جن راستوں پر یہ کوٹھیاں واقع تھیں، ان کو آج بھی کوچۂ بنگی نواب کہا جاتا ہے۔ میسور کی کوٹھی بڑی شان دار تھی۔ کہتے ہیں کہ بالکل میسور کے پرانے راج محل کی سی تھی۔ نسیمؔ میسوری آپ ہی کے نواسے تھے۔

حیات بنگی نواب محمد حسین علی سلطان قریشی نسیمؔ سنہ ۱۸۳۹ء مطابق سنہ ۱۲۵۶ھ میں میسور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام نواب عبدالقادر قریشی اور والدہ کا نام زہرہ بیگم تھا۔

خود نسیمؔ کا بیان حکومت میسور کے میسور گزٹ مورخہ ۲۸، ستمبر ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنے والد اور والدہ کا سلسلہ نسب رقم کیا ہے، اس کے مطابق آپ کے والد عبدالقادر، محمد زاہد کے صاحبزادے تھے اور محمد زاہد ٹیپو سلطان کے بھانجے تھے، اور آپ کی والدہ زہرہ بیگم محمد قاسم علی خاں کی دختر تھیں جو بنگی نواب رضا علی خاں شہید کے صاحبزادے تھے اس طرح نسیمؔ کا سلسلہ نسب والد اور والدہ دونوں جانب سے ٹیپو سلطان کے ننہال سے

جا کر ملتا ہے، آپ کی والدہ بڑی دانشمند اور لائق خاتون تھیں، ان کی سخاوت بہت مشہور ہے، آپکے والد اور والدہ دونوں کو سیاسی پنشنوں کے علاوہ آبائی جاگیروں سے بھی کافی آمدنی ہو جاتی تھی۔

نوابی گھرانا تھا۔ نسیم نے اس ماحول میں بڑے ناز و نعم اور چاؤ چونچلوں سے پرورش پائی۔ اکلوتے فرزند تھے۔ ماں باپ نے بڑے لاڈ پیار سے پالا۔ ان کی تعلیم و تربیت پر بھی خاصی توجہ دی۔ رسم بسم اللہ خوانی کے بعد آپ کی تعلیم باقاعدہ شروع ہو گئی۔ چنانچہ آٹھ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ختم کر لیا۔ دس برس کی عمر تک میسور ہی میں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے۔ اس زمانے میں والدین نے میسور سے بنگلور نقل مکان کیا تو وہاں بھی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مختلف اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد بنگلور کے مشہور و معروف عالم و فاضل غلام زین العابدین عرف عابد میاں صاحب کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ ان سے فارسی ادبیات اور عروض و بلاغت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ چند سال بعد والدین سے اجازت لے کر پھر میسور آ گئے اور یہاں کے مشہور اور باکمال ادیب اور منجم منشی غلام حسین صاحب سے پڑھتے رہے۔ ان بزرگ کو عام طور پر منجم غلام حسین کہتے تھے اور اس زمانہ میں ان کا بڑا شہرہ تھا۔ صاحب تصنیف تھے۔ مہاراجہ میسور کے دربار میں فارسی کے منشی کی حیثیت سے مامور تھے۔ ٹیپو سلطان کے زمانے میں تو دربار کی زبان فارسی تھی اور سرکاری مراسلت کے لئے فارسی کے ساتھ ساتھ مرہٹی اور کنڑی سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ سقوط سلطنت خداداد کے بعد مدتوں تک میسور کے ہندو دربار اور سرکار میں فارسی کا استعمال اسی طرح جاری رہا۔ چنانچہ دیوان ریاست پورنیا کے عہد کے کتبے فارسی اور کنڑا میں ہیں، گورنر جنرل اور گورنر مدراس سے دیوان پورنیا کی خط و کتابت فارسی میں ہوتی تھی، ان خطوط کے مسودات

سالار جنگ لائبریری حیدر آباد میں "کتاب انشاء" کے نام سے محفوظ ہیں چنانچہ اسی مقصد سے دربار میسور میں ایک سے زیادہ لائق و فائق فارسی منشی مامور رہتے تھے، مہاراجہ میسور انگریز گورنروں اور افسر سے ہندوستانی یعنے اردو میں گفتگو کرتے تھے، کیوں کہ انگریز کنڑی سے ناواقف ہوتے اور مہاراجہ انگریزی سے نابلد،

والدین کو نسیم کی فرقت گوارا نہ ہوئی تو وہ بھی میسور لوٹ آئے اور یہاں کی خاک ہو گئے۔ نسیم بڑے ہونہار طالب علم تھے۔ آپ کی ذہانت اور طباعی کا اساتذہ کو بھی اعتراف تھا۔ قابل اساتذہ سے اکتساب فیض کیا اور سلسلۂ تعلیم سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ عنفوانِ شباب ہی میں علوم ادب میں کافی دست گاہ پیدا کرلی۔

نسیم نے اپنی عمر کی سولھویں منزل میں قدم رکھا ہی تھا کہ شاعری کا شوق دامن گیر ہو گیا۔ ملک میں مسلمانوں کی حکومت کا زور ٹوٹ رہا تھا، مگر شاعری کی گرم بازاری بڑھتی جارہی تھی۔ شمالی ہند کی طرح ریاستِ میسور میں بھی؛ خاص کر بنگلور اور میسور میں شعر وسخن کا ذوق عام ہو رہا تھا۔ مشاعرے بڑے اہتمام کے ساتھ باقاعدہ طور پر منعقد ہوتے تھے۔ ان میں اکثر اردو میں غزل خوانی کی جاتی تھی اور کبھی کبھی فارسی میں بھی طبع آزمائی کی جاتی تھی۔ بعض اوقات ان محفلوں میں جو کلام سُنایا جاتا اسے گلدستوں کی شکل میں شائع بھی کر دیا جاتا تھا۔ نسیم ان مشاعروں کی گرم بازاری اور شاعروں کی توقیر وعزت کو دیکھتے تھے۔ نوابی گھرانے کی رنگین فضاؤں میں پرورش پائی تھی۔ اس رنگین ماحول نے آپ کی طبیعت کے عاشقانہ رنگ کو چوکھا کر دیا اور آپ کی فطرت میں جو شاعرانہ صلاحیتیں پوشیدہ تھیں ان کو متحرک بنا دیا۔ اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کرنے لگے۔ شعر کہنے لگے اور مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ ابتدا میں مقامی شعراء اور اساتذہ سے اصلاح لیتے رہے۔

نسیم کی مدتِ حیات ریاستِ میسور کی تاریخ کے اس دور سے متوازی رہی جو بڑی اہمیت اور امتیاز کا مالک ہے۔ اس عہد میں بدانتظامی کی وجہ سے انگریزوں نے مہاراجا کو انتظام ریاست سے دست بردار کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لی تھی۔ ریاست میں انگریزی عمل داری قائم تھی اور چیف کمشنر حاکم اعلیٰ تھا۔ نسیم کے آباؤ اجداد ٹیپو سلطانؒ کے سب سے قریبی رشتہ دار تھے جو ریاست میں بچ رہے تھے، اس لئے انگریز پہلے ہی سے ان پر بہت مہربان تھے اور بڑی دل داری کرتے تھے۔ اس زمانے میں اس خاندان کے انگریزوں سے مراسم اور گہرے ہو گئے۔ آغازِ شباب ہی سے نسیم بھی انگریزوں کے ہاں آنے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ ان کی محفلوں میں بھی شریک ہونے لگے۔ آپ نے انگریزی زبان بھی سیکھ لی تھی اور آمد و رفت اور میل ملاقات کی بدولت اس زبان میں گفتگو اور اظہارِ خیال کے قابل ہو چکے تھے۔ اس سوسائٹی میں رہ کر نسیم کو شراب نوشی کی عادت پڑ گئی۔ رفتہ رفتہ آپ کے مزاج کا رنگ ہی بدل گیا تو والدین نے حرکات و سکنات پر پابندیاں لگانے کی کوشش کی، مگر پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اب نسیم کی آزاد طبیعت اور لاابالیانہ مزاج اس قید و بند کو کہاں گوارا کرتا۔ والدین کے سلوک سے دل برداشتہ ہو کر چیف کمشنر بورنگ کے پاس پہنچے اور ملازمت کی درخواست کی تو اس نے اسی وقت شی موگا ضلع میں تری کرے کا تحصیل دار مامور کر دیا۔ بورنگ نے اپنی کتاب "حیدر علی ٹیپو سلطان" میں آپ کے خاندان کا ذکر بھی کیا ہے۔

یہ غدر یا ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی کے بعد کی بات ہے۔ اس واقعے نے شمالی ہند میں تو ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا، لیکن جنوبی ہند اور خاص کر میسور میں اس کی حیثیت ایک خبر سے زیادہ نہیں تھی۔ یہاں جو انقلاب

ٹیپو سلطانؒ کی شہادت سے آچکا تھا وہ دلّی اور لکھنؤ کے واقعات سے کچھ کم نہیں تھا۔ ٹیپو سلطان شہیدؒ کے پس ماندہ رشتہ داروں نے دشمن انگریز سے مصالحت کرلی تو یہ کوئی تعجب یا افسوس کی بات نہ تھی۔ وہ بے چارے اتنے پست ہمت ہو چکے تھے کہ ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا تھا۔ بہرطور نسیم تحصیل دار بن کر تری کرے میں چلے گئے اور وہاں آٹھ برس تک اس منصب پر مامور رہے، لیکن ملازمت کے زمانے میں بھی نسیم کے مزاج کا وہی حال اور طبیعت کا وہی رنگ رہا۔ آپ کو سرکاری کاروبار اور دفتری امور سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ رات دن اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کرتے رہتے اور شعراء کا کلام پیشِ نظر رہتا تھا۔ اس زمانے کے بعض رسائل تو شعر و سخن ہی سے مخصوص ہوتے تھے۔ ان سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی۔ شعرا کا تازہ کلام بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ رفتہ رفتہ اپنا کلام بھی رسائل و اخبارات میں اشاعت کے لئے بھیجنے لگے۔ شمالی ہند، حیدرآباد اور مدراس کے شعراء سے خط وکتابت بھی جاری ہوگئی۔ اس زمانے میں حیدرآباد کے میر شمس الدین فیضؔ کی اُستادی کا ڈنکا بج رہا تھا اور ان کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ عروض و بلاغت میں ان کی تصانیف کا بھی بڑا چرچا تھا۔ چناں چہ نسیمؔ بھی ان کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوگئے اور اپنا کلام اصلاح کے لئے ان کے پاس بھیجنے لگے۔ ایک غزل کے مقطع میں خود ذکر کرتے ہیں ؎

فیض جناب فیضؔ سے واللہ اے نسیمؔ　　　باغِ جہاں میں نغمے نے مارا ہزار کو

ایک اور مقام پر خود کو نسیمِ چمنِ فیضؔ کہتے ہیں۔ اس کے بعد نسیمؔ کی شاعری کا چرچا ریاست میسور کی حدود سے نکل کر حیدرآباد اور شمالی ہند میں بھی ہونے لگا۔

تری کرے کے دورانِ قیام میں بھی نسیم کا میل جول عموماً انگریزوں سے رہا۔ اس علاقے میں انگریزوں کے چند گھرانے آباد تھے جو کافی کے باغوں کے مالک تھے اور الائچی اور کافی وغیرہ کی کاشت کاری کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک متمول بیوہ لیڈی سے آنکھ لڑ گئی۔ آپ اس کے دامِ محبت میں گرفتار ہو گئے اور وہ آپ پر لٹو ہو گئی۔ دونوں طرف محبت کی آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ آخر کار نسیم نے اس سے اسلامی شریعت کے مطابق نکاح کر لیا۔ ملازمت کو خیرباد کہا اور اس کے ساتھ کافی باغ میں رہنے لگے۔ آپ نے اس خاتون کے ساتھ آٹھ سال عیش و عشرت اور فراغت و مسرت کے ساتھ گزارے۔ دونوں میاں بیوی کی طرح نہیں بلکہ عاشق و معشوق کی طرح جیتے رہے۔ دن عید، رات شب برات تھی، مال و دولت کی فراوانی تھی۔ والدین کے انتقال کے بعد کافی دولت ہاتھ آئی تھی۔ اس پر خاتون کی مزید دولت تھی، سیاسی پنشن الگ۔ اخبار بینی، کتب و رسائل کا مطالعہ، شاعری اور سیر و شکار، ان کے سوا اور کوئی مشغلہ نہ رہا۔ طبیعت اُکتا جاتی تو بنگلور، میسور اور سری رنگ پٹن جا کر کچھ دن قیام کرتے، وہاں مشاعرے منعقد کرتے اور رقص و سرود کی محفلیں رچاتے تھے۔ یہ زمانہ آپ کی زندگی کا بھی عہدِ زرّیں تھا اور آپ کی شاعری کا بھی۔ شراب نوشی کی عادت بڑھتے بڑھتے طبیعتِ ثانیہ بن گئی۔ نسیم نے اپنی فرنگی معشوقہ کا ذکر اپنے کلام میں متعدد مقامات پر بڑی رنگینی کے ساتھ کیا ہے، مثلاً

مسیح ہے مرا ساقی مجھے شفا ہو جائے دوا کے ساتھ برانڈی کا بدرقا ہو جائے

وصل ہے آج کی شب اک بتِ ترسائی کا

اسے رشکِ مسیحا، شوخ فرنگ، بتِ ترسائی وغیرہ القاب سے پکارتے ہیں اور والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ شاید یہ شعر اسی زمانے میں کہا تھا ؎

وصل گل رنگ وہ وباغ ہو مبارک نسیم

دل سے ارمان نکالو تمہیں ڈر کس کا ہے

آخر اس نتیجے پر پہنچے ؎

اک بتِ لندن کی دھن میں انگریزی عشق کی عقل دیوانی ہوئی ایمان ڈسمس ہو گیا

آپ کی بہترین غزلیں اسی دور سے منسوب ہیں جن میں جوش شباب اور جوشِ عشق کا سماں بندھا ہوا ہے۔ آٹھ ہی برس گزرے تھے کہ اس فرنگی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اس وفادار اور دور اندیش بیوی نے مستقبل کا خیال کر کے مرنے سے پہلے لگ بھگ تین لاکھ روپوں کی جائداد آپ کے نام کر دی۔ کہتے ہیں کہ اس خاتون سے نسیم کے اولاد بھی ہوئی۔ یہ خاندان بعد کو انگلستان واپس چلا گیا اور وہاں نسیم ہی کے نام سے موسوم رہا۔ اس کی تحقیق کی جانی چاہیے۔

اس خاتون کے انتقال کے بعد نسیم نے ایک اور انگریز خاتون سے نکاح کیا، مگر بہت جلد ہی اختلافِ عقائد کی بنا پر جدائی ہو گئی۔ اس طرح دو مرتبہ آپ کی زندگی بنی اور بگڑی، مگر آپ کسی طرح ملول یا غمگین نہیں ہوئے، کیوں کہ آپ کا مسلک تو یہ تھا ؎

ڈھونڈھ لوں گا نسیم اور پری کیا حسینوں کا کال ہے مجھ کو

اور آپ نے قسمت بھی ایسی پائی تھی کہ ؎

ہم جن کو چاہے وہ بھی لگے چاہنے ہمیں صدمہ کبھی اٹھائے نہیں ہجرِ یار کا

اس خاتون سے نسیم کے ایک لڑکا تھا جس کا نام چارلس نسیم تھا۔ اپنی مطلقہ والدہ کے ساتھ نیلگری میں رہتا تھا۔ چند سال بعد یہ خاندان انگلستان چلا گیا، کہا جاتا ہے کہ نسیم فیملی وہاں آج بھی موجود ہے۔

ان دونوں انگریزوں سے پہلے نسیم کا نکاح بنگش نواب خاندان کے

محمد جعفر علی خاں کی دختر سے ہوا تھا۔ جن کی ایک اور دختر بنگلور کے مشہور و معروف قاضی حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب سے بیاہی گئی تھیں۔ اس بیوی سے نسیم کے ایک دختر ہوئیں جن کا نام وزیرالنسا بیگم عرف زہرہ بیگم تھا۔ اُن کا نکاح قاضی عبدالقدوس صاحب کے صاحبزادے قاضی عبدالغفار صاحب سے ہوا تھا۔ جو اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے۔ باپ بیٹے دونوں صاحب تصانیف گزرے ہیں اور اپنی لیاقت اور قابلیت کے لئے آج بھی مشہور ہیں۔

اک زمانے کو حسد ہے تیری قسمت پہ نسیم　　　تو جسے چاہا وہ تیرا چاہنے والا ہوا

اس کے بعد نسیم میسور آگئے اور مستقل طور پر یہیں مقیم ہو گئے۔ یہ آپ کی عمر کا آخری دور تھا اور اس کی مدت بیس پچیس برس کے لگ بھگ تھی۔ یہاں بھی وہی مشغلہ رہا، یعنی شراب نوشی، عیش کوشی، شاعری، مشاعرے، رسائل واخبارات، شعراء کے کلام کا مطالعہ، شاعروں سے خط وکتابت، رقص وسرود کی محفلیں اور مشاعرے تو بڑے زور شور سے منعقد ہوتے رہے۔ اس سلسلہ میں شاعروں اور طوائفوں کی باقاعدہ آمدو رفت ہونے لگی۔ کبھی بنگلور میں جا کر قیام کرتے، کبھی سری رنگم پٹن میں مہینوں مقیم رہتے۔ ہر جگہ مشاعرے ہوتے اور ناچ گانے کا انتظام ہوتا۔ ایک مرتبہ بنگلور کے لال باغ میں رقص وسرود کا جلسہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوا تو کہا۔

آج کیا اندر سبھا ہے لال باغ　　　تخت پریوں کے گرے ہیں ٹوٹ کر

اس زمانے میں معزول مہاراجا نے آپ کو اپنا مصاحب بنا لیا اور دربار سے سو روپے ماہینا اعزازانہ ملنے لگا۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ دربار

آپ کے بعد بھی زندہ رہیں۔ یہاں بھی پہلے پہل آپ کی مالی حالت بہت اچھی رہی، مگر اپنی ساری دولت آپ نے آہستہ آہستہ رنگ رلیوں میں اڑا دی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مال و زر کی آپ کی نظر میں کوئی وقعت اور قدر و قیمت ہی نہیں تھی۔ ایسا اسراف کیا کہ عمر کے آخری زمانے میں تنگی اور تہی دستی کا شکار ہو گئے۔ خود کہا ہے ؎

دولت اپنی لٹا رہے ہیں نسیم
مے کدے میں بہار ہے ساقی

شراب نوشی کا یہ عالم تھا کہ اپنی جگرداری کا خود اعتراف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

جز نسیم آپ کہیں اور گزر کس کا ہے
خم کے خم صاف ہوں دم بھر میں جگر کس کا ہے

نسیم پی گئے سب مے کدوں میں ہے کیا خاک
دوا کے واسطے لندن میں بھی شراب نہیں

مے کشی جب نسیم چھوڑیں گے
بھیک مانگیں گے سب شراب فروش

حشر میں بھی نسیم کے گھر سے
خالی شیشے نکلتے جاتے ہیں

پہلے یہ خواہش اور یہ دُعا کرتے تھے :-

دیکھی مسجد کی بنا میں نے یہ دل میں سوجھی
کاش اس جا کوئی مے خانہ بنایا ہوتا

...ا گئے، دہلیز پر جوتے اتارنے بھول گئے اور اندر داخل ہونے لگے تو
...ربان نے ٹوکا۔ دربار سے واپس آتے ہی غزل کہی اور اس کے مقطع
...اس پر یوں چوٹ کسی ؎

...وڑ دو جوتا ادب گر پر وہ کہتے ہیں نسیم
کیا بتائیں ہند کی ہے آبرو پاپوش میں

میسور کے دورانِ قیام میں نسیم کا نکاح دو مسلمان خاتونوں
...سے یکے بعد دیگرے ہوا۔ دوسری مسلمان بیوی یعنے آپ کی چوتھی بیوی

...لگور نار سے ساک فلک مہر وماہ جام یارب زمیں تمام ہو دوکان شراب کی

...ر آخر اس حقیقت کو جان گئے ؎

...عل حرام کے ہے مزے میں حلال بھی ہے نفع سے زیادہ مضرت شراب کی

...وریوں اعترافِ گناہ بھی کرلیا ؎

...گناہ کرتے نہیں رند بے سبب یارب تجھے غفور سمجھ کر شراب پیتے ہیں

ایک زمانہ ایسا آیا کہ تائب ہوگئے اور شراب نوشی بالکل
...ترک کردی ؎

...ہے ہے نسیم اب پیتا نہیں ہے زاہد بنا ہوا ہے ملا بنا ہوا ہے

...قیامِ میسور کے زمانے میں تو آپ کی شاعری کی دھوم مچ گئی۔ ریاستِ میسور
...یں آسمانِ شاعری کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ آپ کا کلام ہر خاص
...عام کی زبان پر جاری ہوگیا۔ ہر محفل میں آپ کا کلام پڑھا اور سنا
...جانے لگا۔ بارھویں شریف کی محفلوں میں آپ کی کہی ہوئی نعت بڑے
...ذوق شوق سے پڑھی جاتی۔ گیارھویں شریف میں آپ کی مدحیں لوگ
...ڑے اشتیاق سے سنتے، محرم کی مجلسوں میں آپ کے مرثیے تو غضب
...ڈھاتے تھے۔ جس مشاعرے میں آپ شریک ہوتے اتنا ہجوم ہوتا کہ تل دھرنے

کو جگہ نہ ملتی تھی۔ ایک جگہ آپ خود لکھتے ہیں ؎

شکر للہ کہ ہے مقبول مرا شعر نسیم ۔۔۔ کیوں غزل سُننے کو اک خلقِ خدا آتی ہے

اس زمانے میں ایک مخالف جماعت ایسی پیدا ہوگئی تھی جو نسیم کے کردار پر انگلیاں اُٹھاتی اور آپ کے کلام پر نکتہ چینی کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ ان کا ذکر اشعار میں متعدد جگہ آیا ہے اور نسیم انہیں اپنے حاسد قرار دیتے ہیں۔ ان کے اعتراضات کا جواب یوں دیتے ہیں ؎

کیوں کور باطنوں کو مرا شعر ہو پسند ۔۔۔ اندھوں کو لُطف کچھ نہیں فصلِ بہار کا

جو خر دماغ ہیں کیا ان کو شعرِ تر کی ہے قدر

نہ سمجھے کاہ سا رتبہ حمار پھولوں کا

آپ نے جو مسیحی عورتوں سے شادی کرلی اور رند مشربی اختیار کی اس کے خلاف ان لوگوں نے کفر و الحاد کا الزام عائد کیا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک غزل لکھی، جس کا مطلع یہ تھا ؎

گر ہم نے دل بتوں کو دیا پھر کسی کو کیا

اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا

مگر بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس کے باقی شعر دیوان میں نہیں ملتے۔

اس کے سوا نسیم نے اسی سلسلے میں یہ شعر بھی کہے تھے، جن میں مخالفوں پر خوب چوٹیں کسی ہیں ؎

زہد و تقویٰ ابھی بھولو گے اجی او قبلہ

کعبہ تو دیکھ چکے رونقِ گرجا دیکھو

کلیسا کو چلے آنکھیں لڑائے جس کا جی چاہے

خوشی سے بیٹھ کر گائے بجائے جس کا جی چاہے

کسی محبوب کا دامن اُٹھائے جس کا جی چاہے

درِ فیض مسیحا وا ہے آئے جس کا جی چاہے

ہرے ہیں کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

لیکن اس رند مشربی میں بھی نسیم کا دل خُدا کے خیال اور آخرت کے ڈر سے خالی نہیں تھا۔ کوٹھی سے لگی ہوئی عمر خان کی مسجد میں اکثر جماعت اور نماز کے لئے آتے تھے۔ گھر میں بارھویں شریف، گیارھویں شریف اور محرم کی مجلسیں بڑے حُسنِ اعتقاد اور دھوم دھام سے منعقد کرتے تھے۔ آخری زمانے میں نعت، مناجات، مدح اور منقبت کے علاوہ مرثیہ بھی کہنے لگے۔ آخرکار صبحِ زندگی کی شام ہونے کو آئی تو نسیم شراب نوشی اور دوسری سب بدعنوانیوں سے باز آگئے اور تائب ہوگئے۔ خوفِ خدا غالب آگیا زندگی کے آخری ایام کردہائے خویش پہ پشیمانی میں گزرے۔ ادھر مالی تنگی نے پریشان کیا اُدھر بیماری اور علالت نے مجبور بنا دیا۔ وہ رنگا رنگ بزم آرائیاں چشم و چراغ طاق نسیاں ہوگئیں۔ دوست احباب فارغ البالی کے ساتھ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب خدائے غفور کی رحمت و مغفرت کی اُمید کے سوا کوئی مونس و غمخوار نہ رہا۔ کیا خوب کہا ہے ؎

نسیم ان کی بخشش بھی لاانتہا ہے ہوئے جرم ہم سے عیاں کیسے کیسے

مدت تک بسترِ علالت پر دراز رہنے اور بیماری کی سختیاں جھیلنے کے بعد بارھویں شعبان سنہ ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء کو حسرت و افسوس کے ساتھ دُنیا سے رخصت ہو گئے اور اسی دن بیور کے بڑے قبرستان میں سپردِ خاک کر دئے گئے ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آپ کی قبر آج بھی بیسور کے قبرستان میں موجود ہے۔ پہلے اس پر آپ کے نام کا کتبہ لگا ہوا تھا۔ آپ کے انتقال کی خبر ملک کے اخبار اور رسائل میں بڑے رنج و ملال کے ساتھ شائع ہوئی۔ بعض رسائل میں قطعاتِ تاریخ بھی چھپے۔ بیسوری مخالفوں نے بھی بڑے رنج و غم کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے یہ تاریخ لکھی ؎

پہنچے نواب تو کہا رضواں — کیا امیرِ سخن فہیم آئے
بے زری دیکھ قبر کہنے لگی — مسرف آئے، نہیں لئیم آئے

کہا حوروں نے لے بلائیں سال
گلشنِ خلد میں نسیم آئے

۱۳۰۵ھ

آپ کے شاگردِ خاص عبدالحمید خاں ساقی نے یہ دردناک قطعہ کہا جس میں سالِ عیسوی آگیا ہے ؎

سنا ہائے میں نے کہ حضرت نسیم — گئے شوق سے نزدِ اللہ آج
نہ ایسا رہا جب سخن دانِ دہر — سخن گوئی نے اپنی لی راہ آج
یہ تاریکیِ غم ہے آنکھوں میں آہ — منور نہیں مہر اور ماہ آج
قیامت بپا کیوں نہ ہو شہر میں — جہاں سے اٹھا ایسا ذی جاہ آج
فلک سے جو پوچھا تو سالِ وفات — ندا غیب سے آئی ناگاہ آج

کہ ساقی سرِ آہ و زاری سے لکھ
گیا مالکِ نظم و نثر آہ آج

۱۸۸۸ء

انتقال کے وقت آپ کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔ آج سے پندرہ بیس سال قبل کی بات ہے کہ گورکنوں نے آپ کے مزار کے پہلو

میں قبر کھودی تو آپ کی لحد میں شگاف پڑ گیا اور آپ کی نعش نمایاں ہوگئی۔ کفن کا ایک تار بھی بگڑنے نہ پایا تھا۔ صورت تازہ و تر دکھائی دے رہی تھی اور پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ شہر میں خبر مشہور ہوئی تو تماشائیوں کا تانتا بندھ گیا، لیکن بہت جلد شگاف کو چُن دیا گیا۔

میسور میں آپ ہی ٹیپو سلطانؒ کے سب سے قریبی رشتہ دار تھے اور اس حیثیت سے بھی منفرد تھے کہ آپ کے آباؤ اجداد نے ان کا حقِ نمک ادا کیا تھا۔

حلیہ نسیمؔ کی خوبصورتی اور حُسن و جمال ضرب المثل ہے۔ اُونچے قد کے آدمی تھے، لحیم و شحیم اور سڈول بدن، کتابی چہرہ، کٹوراسی آنکھیں، خمدار ابرو، گورا رنگ، بانکے ترچھے جوان تھے۔ گردہ رکھتے تھے مگر ڈاڑھی گھٹوا لیتے تھے۔ بڑے خوش پوشاک تھے۔ باہر نکلتے تو امیرانہ ٹھاٹھ سے، گھر میں رہتے تو رئیسانہ انداز سے، کبھی زریں ڈوپٹہ باندھتے، کبھی زریں ٹوپی پہنتے تھے، کبھی تن زیب کا انگرکھا اور سفید پاجامہ زیب تن کرتے، کبھی لانگ کوٹ اور پتلون، نوک دار جوتا پہنتے یا بوٹ، داہنی کلائی میں کہربا کے منکے ہوتے تھے اور چھنگلیا میں سونے کی انگشتری، جس کے نگینے پر آپ کا نام دنشان کندہ تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ انگشتری چیف کمشنر بورنگ نے یادگار کے طور پر تحفہ دی تھی۔ ہاتھ میں ہمیشہ عطر میں بسا ہوا رومال ہوتا تھا، جس کی مہک مست کر دیتی تھی۔ باہر نکلتے تو بگھی میں بڑی شان سے نکلتے تھے، جس میں دو گھوڑے جتے ہوتے تھے۔

شمائل و خصائل نسیمؔ قدیم زمانے کے ایک نواب، رئیس اور امیر تھے شاہانہ کروفر اور امیرانہ ٹھاٹھ سے جیتے تھے۔ رنگین مزاج اور آزاد طبع بانکے جوان تھے۔ جوانی کے تمام اوصاف کے

مالک تھے۔ شباب کے تمام لوازم مہیا تھے۔ جی بھر کر جینے کا لطف اُٹھایا۔ دُنیا کی رنگینیوں کے سیر ہو کر مزے لئے اور عیش وطرب کی زندگی کا حق ادا کیا۔ بڑے خوش طبع اور حاضر جواب اور شگفتہ مزاج آدمی تھے۔ ہر شخص سے بڑی خندہ روئی اور کشادہ دلی سے پیش آتے تھے۔ دوست احباب، ملاقاتیوں اور مہمانوں کی بڑی خاطر مدارت کرتے تھے۔ بات چیت اور سلوک میں بڑا اخلاص اور انکسار ہوتا اور حرکات و سکنات سے خاکساری ٹپکتی تھی۔ غرور تکبر چھو تک نہ گیا تھا۔ سائل کو کبھی خالی ہاتھ جانے نہ دیا۔ حافظہ غضب کا تھا۔ ایک بار کوئی بات سُنتے یا پڑھتے تو ہمیشہ یاد رہتی تھی۔ ظرافت مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ زبان سے جو بھی جملہ نکلتا ظرافت کے رنگ میں ڈوبا ہُوا ہوتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک صاحب آپ کی ملاقات کو آئے اور گِلے کے طور پر کہنے لگے کہ نواب صاحب آپ میسور تشریف لائے۔ مجھے خبر تک نہ ہُوئی۔ بول کیوں نہ بھیجے۔ آپ نے جھٹ سے جواب دیا۔ کیا کروں بھئی میرے پاس شیشہ نہیں تھا، ورنہ ضرور بھیجتا۔

ایک مرتبہ جمعہ کی صبح کو کوٹھی سے لگی ہُوئی عُمر خان کی مسجد کے امام چند آم لے آئے۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کہاں کے آم ہیں۔ امام صاحب نے بتایا کہ متولی صاحب نے فروخت کے لئے بھیجے ہیں۔ آپ نے فی البدیہہ یہ شعر کہا ہے

صباحِ جمعہ شنیدم امام مزدور است
چرا نہ پیرِ مغاں قبلہ ام شود تا شام

ایک مرتبہ سفرے پر بیٹھے دوستوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ عادت کے

مطابق بیچ میں پانی پیا تو ایک صاحب نے طنز کیا کہ نواب صاحب آپ کھاتے کم ہیں اور پیتے بہت۔ فی البدیہہ کہا ؎

مری شراب کے دشمن خراب ہوں یا رب

نہ کس کے کھانے میں ہوں میں نہ کس کے پینے میں

گرمیوں میں آپ اکثر نیل گری (اوٹکمنڈ) چلے جاتے تھے۔ ایک دن وہاں انگریزوں کی ایک محفل میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک پرندہ درخت کی شاخ پر بولا۔ ایک لیڈی نے پوچھا۔ نواب صاحب، یہ پرندہ کیا کہتا ہے۔ فوراً جواب دیا۔ کہتا ہے، ٹی پوٹے ٹو، ٹی پوٹے ٹو، برنگ، برنگ، برنگ۔ سب قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور آلو اور چائے کا فوراً انتظام ہوگیا

نسیم بڑے وضع دار اور یار باش آدمی تھے اور ادب آداب کے پابند، اکثر دوست احباب کی صحبت میں بیٹھے رہتے تھے۔ موضوعِ کلام اکثر شعر و سخن ہوتا تھا۔ موسیقی سے بھی ذوق تھا۔ بعض اوقات خود بھی گانے لگ جاتے تھے۔

اپنے آبائی وطن سریرنگ پٹن سے آپ کو بڑی اُلفت تھی۔ اکثر وہاں جاتے اور بعض اوقات مہینوں وہیں مقیم رہتے۔ گنبدِ سلطانی پر حاضری دیتے، باغوں میں رنگ رلیاں مناتے اور ویرانوں کی سیر کرتے تھے۔ اپنے ان اشعار میں گنبدِ سلطانی کا ذکر کس جوشِ عقیدت سے کیا ہے ؎

رضواں بھی بھول جائے جناں کی بہار کو

دیکھے جو لال باغ میں شہ کے مزار کو

قدسیاں کہتے ہیں فردوس میں کعبہ دیکھو

لال باغ آکے مزارِ شہِ شہدا دیکھو

شاعری

نسیم فطری شاعر تھے اور شعر وسخن کا ذوق خمیر میں رچا ہوا تھا۔ ایسے ماحول میں پرورش پائی اور زندگی بسر کی جو آدمی کو شاعر بنا دیتا ہے۔ غضب کا شباب تھا۔ بازارِ حسن کے خریدار بھی تھے اور جنسِ گراں مایہ بھی۔ علومِ شعر سے کماحقہ واقف تھے۔ اساتذہ کا کلام ہمیشہ پیشِ نظر رہتا تھا۔ عاشقانہ مزاج پایا تھا۔ ساغر وجام کے عادی تھے۔ شاعری نہ کرتے تو زندہ کیسے رہتے۔ شاعری کی اور شعر وسخن کے دریا بہا دیئے۔ لازمی طور پر آپ کی شاعری میں عشقیہ اور خمریہ رنگ چھا گیا۔ شعر گوئی زندگی کا سب سے اہم مشغلہ بنی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ شاعری کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور شاعری آپ کے لئے وجود میں آئی ہے۔ اکثر کہا کرتے تھے ؎

نسیم اس قول کو اپنے سخن داں ہی سمجھتے ہیں
کسی فن کو نہیں ترجیح بے شک شعر کے فن پر

آپ کا کلام آپ ہی کے زمانے میں اتنا مشہور اور مقبول ہوا کہ ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔ لوگ مزے لے لے کر پڑھتے تھے اور ہر محفل اس سے چمکتی تھی۔ ملک کے اکثر اخباروں اور رسالوں میں آپ کی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ ایڈیٹروں، شوقینوں اور دوستوں کی طرف سے فرمائشوں پر فرمائشیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہر غزل اور ہر نظم ہاتھوں ہاتھ لی جاتی اور ہر طرف اس کی اشاعت ہو جاتی تھی۔ مشاعروں میں تو لوگ آپ ہی کا کلام سننے کو آتے تھے اور مشتاقوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ بندھ جاتے تھے، گویا ایک عندلیبِ خوش الحان تھے، جس کے نغمے کا اثر عام تھا۔ کہتے ہیں کہ مشاعروں میں اپنا کلام ایک ایک لفظ ادا کر کے اور مزے لے لے کر پڑھتے تھے ؎

ایسے ہو عندلیب خوش الحان اے نسیم
ہوتا ہے وصف نغمے کا لاکھوں ہزار کا

مشاعروں میں بڑی مستعدی کے ساتھ شریک ہوتے اور خود بھی اپنے ہاں
بڑے اہتمام کے ساتھ مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ یہ مشاعرے باقاعدہ پابندی
کے ساتھ ہوتے تھے۔ بنگلور کے مشاعروں میں اس زمانے کے تمام مشہور شاعر
شریک ہوتے تھے۔ جیسے محمد قاسم شاد وعظم، عبداللہ حسین خلیل، عبدالحق
تحقیق، قاصر، کلیم، قسیم وغیرہ۔ میسور کے مشاعروں میں بھی مقامی شاعر
سب کے سب شرکت کرتے، جن میں عبدالحمید خاں ساقی قابلِ ذکر ہیں۔ بعض
اوقات بنگلوری شاعر میسور کے مشاعروں میں آجاتے اور میسوری شاعر مشاعروں
میں شرکت کرنے کو بنگلور تک جاتے تھے۔ سری رنگ پٹن کے مشاعروں میں دونو
طرف کے شاعروں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ مشاعروں میں پہلے شاعروں اور
مہمانوں کی ضیافت ہوتی تھی۔ پھر شب بھر محفل جمی رہتی۔ نسیم شاعروں کے
حق میں بڑے فیاض اور دریادل واقع ہوئے تھے۔ اکثر ان کی مالی امداد کرتے
اور تحفے تحائف دیتے تھے۔ اس فیاضانہ برتاؤ اور خاطر تواضع کی بدولت
شاعروں کو آپ سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی۔ نسیم نے میسور میں شاعری کا د
بازار گرم کیا تھا کہ میسور کی شہرت سارے ملک میں ہو رہی تھی ؎

کیا ہی خوش گو ہے نسیم اہلِ سخن کہتے ہیں
باغِ ہند آپ سے میسور ہوا خوب ہو

آج شہر میسور کو ہندوستان کا شہرِ گلستان کہتے ہیں، لیکن نسیم نے آج سے
سو برس قبل اسے باغِ ہند کا خطاب دے دیا تھا۔ یہ بڑا پُر لطف نکتہ ہے
اپنی غزلیں رقص و سرود کی محفلوں میں طوائفوں سے گواتے تھے۔ وہ بھی آپ
کے کلام کی شیدا تھیں اور غزلوں کی فرائش کرتی رہتی تھیں۔ کہتے ؎

شاعر ہوں بڑا نام نسیم سحری ہے
خواہش ہے غزل کی مری ہر ایک پری ہے

نون کا اعلان بھی ہو جائے گا صنعت نسیم

یہ غزل ہے واسطے اک یار خوش الحان کے

نسیم اس رشک نے زہرہ کو اچھا ناچ نچوایا

غزل اپنی سنی تم نے جو اس ماہ خوش الحاں کے

نسیم شاعر ہی نہیں شاعروں کے اُستاد بھی تھے۔ ریاست بھر میں شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو گیا تھا۔ مختلف مقامات سے اصلاح کے لئے غزلیں آتی تھیں اور مقامی شاعر خود اپنا کلام لے آتے تھے۔ آپ ان کا کلام انھیں سے پڑھا کر سُنتے اور اصلاح دیتے جاتے تھے۔ گویا آپ نے ریاست میں شاعری کا ایک مکتب قائم کر دیا تھا۔ اپنے ایک شاگردِ خاص عبدالحمید خاں ساقی سے آپ کو بڑی اُلفت اور ان پر بڑا ناز تھا۔ اکثر انھیں خواجہ ساقی کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ شعر انہیں کے بارے میں کہا ہے ؎

عاشقوں میں ترے مجھ سا سخن ایجاد نہیں

میرے شاگرد سے لائق کوئی اُستاد نہیں

بے شک آپ سخن ایجاد بھی تھے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ساقی ہائی سکول میں اُردو اور فارسی پڑھاتے تھے۔ پہلے میسور میں مقیم تھے۔ پھر ہاسن چلے گئے۔ نسیم کی وفات پر اُنھوں نے جو قطعہ تاریخ کہا تھا اس کا ذکر آ چکا ہے۔ نسیم بدیہہ گوئی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ یوں تو ان کی زبان سے اکثر کلام موزوں ہی نکلتا تھا مگر خاص موقعوں پر فوراً شعر پر شعر کہتے چلے جاتے تھے۔ اس کی کچھ مثالیں شمائل و خصائل کے بیان میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ناک میں ردیف والی غزل بھی فی البدیہہ کہی تھی۔ اس کا مقطع ہے ؎

اے نسیمؔ اپنی غزل سنتے ہی بول اُٹھے حسود
فی البدیہہ کیا ہی لکھا ہے سخن ورناک میں

سنہ ۱۸۷۹ء میں اخبار نیر اعظم مراد آباد میں اس مصرع پر طبع آزمائی کی دعوت دی گئی تھی۔ شرط یہ تھی کہ اسے ہر شعر کا دوسرا مصرع بنایا جائے اور غزل اشاعت کے لئے بھیجی جائے۔ آپ نے اسی وقت نو شعر کہے اور اسی وقت اشاعت کے لئے بھیج دئے۔ مصرع یہ تھا ؎

حیات بعد ہوئی پہلے انتقال ہوا

یہ غزل اس مجموعہ میں شامل ہے۔ اس کا مقطع ہے ؎

یہ التزام غضب کا ہے اس غزل میں نسیمؔ
حیات بعد ہوئی پہلے انتقال ہوا

باسودہ (شاید بجواڑہ) کے نواب خود شاعر تھے اور وحشی تخلص کرتے تھے۔ ان سے نسیمؔ کے گہرے مراسم تھے۔ ان کی یاد میں نسیمؔ نے ایک چھوٹی سی نظم بھی کہی ہے جو اس مجموعے میں شامل ہے۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں مدراس میں ان کے فرزند کی شادی ہوئی تو ان کی فرمائش پر نسیمؔ نے فارسی میں تاریخ کہی، اُردو میں ایک سہرا کہا اور ایک مثنوی لکھ بھیجی۔ یہ تینوں داخلِ دیوان ہیں۔ نسیمؔ کو تاریخ گوئی کا بھی بڑا ملکہ تھا۔ متعدد موقعوں پر تاریخ کہی اور قطعے لکھے۔ ان میں سے بعض جو دستیاب ہو سکے مَیں نے اس مجموعے میں شامل کر لئے ہیں۔ سب سے اچھا مادہ اور مصرع یہ معلوم ہوتا ہے جو شہزادہ غلام محمد فرزندِ ٹیپو سلطان شہیدؒ کی وفات پر کہا تھا ؎

گئی آہ جانِ غلام محمد
۱۲۵۳ھ

گو اساتذۂ دہلی و لکھنؤ کا کلام ہمیشہ پیشِ نظر رہتا تھا۔ تاہم آپ نے زبان کی فصاحت کو محفوظ رکھنے کا یہ انتظام کر لیا تھا کہ ایک دہلوی اور ایک لکھنوی کو مصاحبی میں ملازم رکھ لیا تھا۔ دہلوی صاحب کا نام مولا بخش اور لکھنوی صاحب کا شیخ ابراہیم تھا۔ یہ دونوں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ دونوں شعر کہتے تھے، مگر ان کا کلام دست یاب نہیں ہوتا۔ نسیم اپنے دوستوں سے ہمیشہ کہتے تھے کہ یہ دونوں میری ڈکشنریاں ہیں۔

محمد عبد اللہ خاں ضیغم لکھنوی نے اپنے معاصر شعراء کا تذکرہ لکھا تو اس میں نسیم میسوری کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب تذکرۂ یادگارِ ضیغم کے نام سے سنہ ۱۳۰۲ھ میں یعنے نسیم کے انتقال سے تین سال قبل حیدر آباد دکن میں شائع ہوئی تھی۔ 'آج کل' دہلی کی دسمبر سنہ ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں ڈاکٹر مختار الدین احمد نے اس پر روشنی ڈالی ہے اور شعراء کی تصویریں بھی شائع کرادی ہیں جو اصل تذکرے میں اشاعت سے رہ گئی تھیں۔ ان میں نسیم کی تصویر بھی ہے، مگر اس میں ان کے اصلی خد و خال نمایاں نہیں۔ شاید یہ اس زمانہ کی عکاسی کا قصور ہے یا مرورِ زمانہ نے تصویروں کو بگاڑ دیا ہوگا۔ نسیم کے علاوہ اس تذکرے میں بنگلور کے ان شاعروں کا بھی ذکر آیا ہے۔ عبد العزیز خاں رمان، ٹیپو خاں قاصر، محمد ابراہیم قسیم اور خطیب حسن کلیم۔ اس کے علاوہ کسی رسالے کی اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے اس تذکرے پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ یہ دونوں مقالے بڑی اہمیت کے مالک اور پڑھنے کے قابل ہیں۔

دیوان:- دیوانِ نسیم کی پہلی غزل کے مطالعہ سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں دیوان مکمل مرتب ہو چکا تھا۔ یہ

غزل بطور تکملہ کہی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے یہ اشعار قابلِ غور ہیں۔

جلوہ نما ہے مطلع دیوان بہار کا　　　اے گُل عذار شکر ہے پروردگار کا

گلشن میں دھوم پر ہے جو نغمہ بہار کا　　　دیواں سُنا رہے ہیں نسیم بہار کا

نعتِ نبی و حمد ہے پروردگار کا　　　دیواں مرا چمن ہے ہمیشہ بہار کا

اپنے دیوان کے مختصر ہونے کی توجیہہ یوں بیان کرتے ہیں ؎

ہے بڑا رُتبے میں یہ گرچہ ہے دیواں چھوٹا
جس روش اگلی کتابوں میں ہے قرآں چھوٹا

طبع نازک پہ تری بار نہ ہو پڑھنے میں
اے پری ہم نے لکھا اس لئے دیواں چھوٹا

ایک مقام پر دعا کرتے ہیں ؎

جب تک اس دہر میں قائم ترا قرآن رہے
حفظ ہر بُت کو الٰہی مرا دیوان رہے

دیوانِ نسیم یا کلامِ نسیم کے تین نسخے ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ ایک مطبوعہ دیوان، دوسرا ان کے شاگرد ساقی کے مرتبہ قلمی نسخے کی نقل اور تیسرا مجموعہ ایک قلمی بیاض کی شکل میں ہے۔

مطبوعہ نسخہ نایاب نہیں۔ اسے دیوانِ نسیم کے نام سے بنگلور کے مشہور شاعر محمد قاسم شاد و غم اور عبدالحق نے مطبع چامراج و قاسم الاخبار میں طبع کرایا اور سنہ ۱۳۰۸ھ میں شائع کیا تھا۔ اس میں عبدالحق کا لکھا ہوا ایک مختصر سا دیباچہ اور محمد قاسم شاد و غم، عبداللہ حسین خلیل اور عبدالحق کے قطعات تاریخ طبع بھی شامل ہیں۔ اس دیوان میں جملہ ۱۲۸۵ شعر ہیں اور نسیم کا اکثر کلام آگیا ہے، لیکن کتابت میں جو خود عبدالحق نے

کی ہے بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً ہے کو ہی اور کے کو کی لکھا ہے۔ شادو غم کا قطعہ تاریخ ان کی شاعری کا نمونہ اور بہت پُرلطف ہے۔
ناظرین ملاحظہ فرمائیں ؎

بانکے مِرے نواب ہو کیوں نہ اضطراب
اے فردِ لاجواب ہے تیرے دل ہے تنگ
وہ مجلسیں کہاں وہ شعر خوانیاں
پڑھنے کی وہ ادا تقریر کا وہ ڈھنگ
آنکھوں کے روبرو ہے سارا ماجرا
گویا ہیں دیکھتے وہ نقش اور وہ رنگ
وہ میکش سخن وہ اس کا بانکپن
وہ دل وہ ولولے وہ جوش وہ اُمنگ
سب طرح سے بہم سامانِ عیش ہے
باغ و شباب و مے ساقی رباب و چنگ
ہے سر سے پاؤں تک تصویرِ حُسن و عشق
سر پر زری کلاہ بر میں قبائے تنگ
صورت میں دل فریب سیرت میں ناشکیب
وہ حُسن اور یہ عشق وہ رنگ اور یہ ڈھنگ
گلشن ہے اور بہار گردن میں دستِ یار
ہے عالمِ شباب اور طبع شوخ و شنگ
اب عیش کا ہے ذکر محبوب فکر بکر
آیا زبان پر مطلع یہ بے درنگ

مستِ مے شباب نشے کی وہ ترنگ
دلھن بنی ہوئی محبوبِ فرنگ

یاروں کے جمگھٹے ہیں اور اُن کے قہقہے
جلسے ہیں شعر کے یا بزمِ راگ و رنگ

عشرت کی منزلیں سنسان ہو گئیں
صدمہ ہے دِل شکن شیشہ ہے پُر خنگ

مژگاں ہیں خوں فشاں اور دل پہ داغِ غم
شانہ ہے سینہ چاک آئینے میں ہے زنگ

نغمے کی اب صدا ہے شیون و بکا
تھا ہاتھ چنگ پر یا سینے پر ہے چنگ

اب ہے کہاں نسیم آتی نہیں شمیم!
دِل غم سے ہے دو نیم اور طبع اپنی دنگ

وہ بزمِ شاعری عشرت کا پھر وہ رنگ
جمنا نہیں نصیب آنکھیں بنی ہیں گنگ

دیوانِ نسیم کا تفسیرِ عشق ہے
عشاق لیتے ہیں دید کے نام و ننگ

وہ نظمِ دِل خراش ہر جا ہے کی تلاش
الفت نے کر دیا مجموعہ بے درنگ

چھاپا جو طبع زاد غم نے لکھا یہ سال
دیوانِ نسیم کا ہے خانہ فرنگ

۱۳۰۸ھ

عبدالحق کا مصرع تاریخ ہے ؎

داستانِ بلبلِ گلزارِ عشق

۱۳۰۸ھ

ایک اور مصرع کہا ہے ؎

طبع شد امسال تصنیفِ نسیمؔ - آمدندا

۱۳۰۸ھ

محمد عبداللہ حسین خلیقؔ نے کہا ہے ؎

زہے شمیم نسیمؔ سخن وزید - بخواں

۱۳۰۸ھ

عبدالحمید خاں ساقیؔ کا مرتب کیا ہوا نسخہ نہ جانے کیا ہو گیا، البتہ اس کی نقل جو نسیمؔ کے رشتہ دار اور قدیم دوست غلام جیلانی صاحب کمندان نے کی تھی، انہیں کے خاندان میں موجود ہے۔ یہ بڑا قابل قدر اور قیمتی نسخہ ہے اس میں نسیمؔ کے حالات بھی ملتے ہیں جو ساقیؔ نے لکھے تھے۔ جلی قلم سے نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے۔ کمندان صاحب خود اچھے شاعر، کاتب اور خوش نویس تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تحریر میں انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے، اس میں اشعار کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔

تیسرا نسخہ ایک بیاض کی صورت میں میرے پاس موجود ہے جس میں نسیمؔ کا کلام بے ترتیب لکھا ہوا ہے، خط صاف نہیں، نہ کہیں کسی کا نام یا دستخط دکھائی دیتے ہیں۔ خدا جانے یہ اصل ہے یا نقل بہر طور اس میں بھی نسیمؔ کا کم و بیش سارا کلام موجود ہے، صرف ایک مرثیہ اور دو تضمینیں جو کمندان صاحب کے نسخے میں ہیں اس میں نہیں ہیں۔

میں نے اِن تینوں کا مقابلہ کر کے یہ کلیات تیار کیا ہے۔ ساقی نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ نسیمؔ کے انتقال سے دو چار دن پہلے وہ ہاسن جاتے ہوئے ان سے ملاقات اور عیادت کو گئے۔ دیکھا کہ ضعف بڑھتا ہی جاتا ہے، قرائن اور آثار سے یقین ہو چلا کہ اُستاد اب خدا کے گھر جانے والے ہیں۔ باتوں باتوں میں کلام کے متعلق پوچھا تو کہا کہ میرا دیوان تو لوگوں کی زبانوں پر ہے، سارا کلام میرے پاس کہاں ہے، ایک بوسیدہ سی بیاض میز پر دھری تھی۔ اِس کی طرف اشارہ کر کے کہا، بس اتنا سا کلام میرے پاس رہ گیا ہے، اسے لے جاؤ اور لکھنو بھیج کر طبع کراؤ۔ اِس کے بعد مختلف ذریعوں سے آپ نے بڑی محنت اور جاں کاہی سے اُستاد کا کلام جمع کیا، اخباروں اور رسالوں سے نقل کیا، دوست احباب سے خط و کتابت کی، بہر طور جس قدر کلام مِل سکا جمع کیا اور ردیف کی ترتیب سے دیوان کی شکل میں نقل کیا۔ اِس کی ترتیب سنہ ۱۳۰۷ھ میں مکمل ہوگئی تو مخزن الفصاحت، اِس کا تاریخی نام رکھا لیکن فوراً اشاعت کا انتظام نہ کر سکے۔ ادھر بنگلور کے احباب بھی کلام کی جمع و ترتیب میں لگے ہوئے تھے، انہوں نے اپنا مجموعہ ۱۳۰۸ھ میں شائع کر دیا تو یہ مجموعہ اشاعت سے محروم ہی رہ گیا اور آج تک اس پر کسی نے توجہ نہیں کی۔

میرا یہ دعویٰ غلط ہوگا کہ اس مجموعے میں نسیمؔ کا سارا کلام آگیا ہے جس قدر مل سکا جمع کر کے پیش کیا ہے، ممکن ہے اس کے علاوہ اور بھی اشعار ہوں گے اور یہ حقیقت ہے کہ نسیمؔ بڑے پرگو شاعر تھے۔ اُن کا کلام اِس سے بہت زیادہ تھا۔

اِس مجموعے میں جملہ ایک ہزار نو سو چالیس شعر ہیں، اِن میں صرف چھہ شعر فارسی ہیں۔ اور باقی سب اردو، اردو کلام میں غزلوں کی تعداد ایک سو چھبیس

ایک نعتیہ ہے، پانچ مرثیے، پانچ نعتیں، ایک سہرا، حضرت پیران پیر کی منقبت میں تین نظمیں، ایک مناجات، دو مدحیہ قطعے، ایک عید مبارک، آٹھ رباعیاں جن میں سے چار مرثیے کا رنگ رکھتی ہیں، دس میں تضمین کی گئی ہے اور ایک حضرت پیران پیر کی مدح میں ہے۔ دو تین غیر مکمل غزلیں، دو تین مصرع ہائے تاریخ اور چند منفرد شعر ہیں جملہ نظمیں ایک سو چونسٹھ تک پہنچتی ہیں، فارسی میں سات غزلیں، تین نعتیں ایک تضمین، ایک تہنیت نامہ اور دو ایک مصرع تاریخ ہیں۔

نسیم کا دیوان بقول شاد و غم کے تفسیر عشق ہے۔ اس سے بہتر اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں ؎

دیوان نسیم کا تفسیر عشق ہے
دے دے کے لیتے ہیں عشاق نام و ننگ

نسیم نے اپنے دیوان کا تعارف یوں کرایا ہے ؎

ہے فقط ذکر مے و ساقی و مینا و گزگ
میرے دیواں کو پری کہتے ہیں ساغر نامہ

اسے ساغر نامہ بھی کہنا چاہئے اور یہ دیوان نسیم کے بقول بے شک آب زر سے لکھنے کے لائق ہے ؎

لکھتے ہیں کیا نسیم کا دیواں
ہے گلوں کو جو آب زر کی تلاش

اس کی قدر و قیمت کا بیان بھی نسیم ہی سے سن لیجئے ؎

مول لیں گے پری مرا دیواں
اڑنے لگ جائیں گے کتاب فروش

رنگ سخن

نسیم کا سارا کلام مردف ہے، کوئی غزل یا نظم ایسی نہیں جس میں فقط قافیے پر اکتفا کی گئی ہو، اس سے ظاہر ہوتا

ہے کہ زبان پر شاعر کو اتنی قدرت تھی اور مشکل زمینوں میں شعر کہنا اس کے لئے اتنا آسان تھا۔ غزلیں اکثر بہت طول طویل کہی ہیں، چند دو غزلے بھی ہیں اشعار کی تعداد بعض غزلوں میں اکیتس تک بھی جا پہنچتی ہے، پھر ایک مطلع پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ دس دس مطلع لائے جاتے ہیں، حسن مطلع اتنی کثرت سے کہنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں، وہی شاعر کہہ سکتے ہیں جن کو زبان پر کافی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ پانی کی ردیف والی غزل کے مقطع میں خود نسیمؔ کہتے ہیں ؎

کس قدر سخت زمیں تم نے نکالی ہے نسیمؔ
تھک کے رہ جاتے ہیں پی پی کے سخن ور پانی

کلام کی روانی قابل تعریف ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے جو بڑی صفائی کے ساتھ بہ رہا ہے، مشکل سے مشکل زمینوں میں سینکڑوں شعر کہے ہیں۔ مگر کہیں سلامت میں فرق نہیں آتا کہیں رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی زبان ایسی ہے کہ ایک ایک لفظ سے شیرینی ٹپکتی ہے، گویا ان خیالات کے اظہار کے لئے ان سے بہتر الفاظ نہیں ہو سکتے۔ گو نسیمؔ دکن کے باشندے تھے، کبھی دلی یا لکھنؤ نہیں گئے لیکن زبان ٹھیک ٹکسالی استعمال کرتے ہیں روزمرے محاورے کی پابندی اور صحت میں وہ کسی اہل زبان سے کم نہیں۔
صنائع بدائع کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ جتنی اہم لفظی اور معنوی صنعتیں ہو سکتی ہیں آپ کے کلام میں جا بجا پائی جاتی ہیں، لیکن ان سے کوئی بدمزگی پیدا ہونے نہیں پاتی، بلکہ کلام کا لطف بڑھ جاتا ہے، اس حیثیت سے نسیمؔ نے شاعرانہ تعلّی سے کام لے کر غنی سے ٹکر لی ہے، فرماتے ہیں ؎

اللہ رے خزانۂ بلاغت
محتاج نسیمؔ کا غنی ہے

سلامت بیان اور وضاحت بیان کے بعد ترنم کلام کا سب سے

اہم وصف ہے۔ ایک ایک لفظ سے گویا موسیقی ٹپکتی ہے۔ آپ خود بھی موسیقی جانتے تھے۔ اور آپ کی غزلیں آپ کی محفلوں میں گائی بھی جاتی تھیں، ایسی ترنم ریزی بہت کم اردو شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہوگی، پڑھنے والے کو خود بخود گانے کا شوق ہو جاتا ہے اور وہ گنگنانے لگتا ہے۔ ردیف کی پابندی بھی میرے اس بیان کی تائید کرتی ہے۔

معنی آفرینی اور نازک خیالی کا یہ عالم ہے کہ اشعار کو سمجھنے کے لئے سوچنا اور غور کرنا پڑتا ہے۔ گو بظاہر کلام بہت آسان معلوم ہوتا ہے، نسیم نے محاورہ بندی بھی کی ہے، مثلاً آنکھیں والی ردیف کی غزل میں کئی محاورے باندھے ہیں۔ محاورہ بندی کی بدولت یہ شعر کس قدر پُر معنی ہو گیا ہے ؎

جو نکلے کھیلنے کو ہم تو کھیلے جان پر پہلے
نہیں اچھی کوئی بازی جہاں میں عشق بازی سے

ایسے اشعار کافی تعداد میں موجود ہیں ؎

ہم بھی غزل جو کان تک اس بحرِ ناز کے
مضموں اپنے سب در شہوار ہو گئے

ہجر و فراق کے مضامین اتنے کم ہیں کہ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اور جو ہیں بھی تو ایسے جیسے کوئی جھوٹ بول رہا ہو، سارے مضامین مسرت کے نغمے اور وصال کے زمزمے ہیں، یہ نسیم کی زندگی کا عکس ہے جو ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ فرقت آپ کو نصیب ہی کہاں ہوئی، ہوئی بھی تو شعر نہیں کہا کہتے ہیں ؎

فرقت میں فکرِ شعر نہیں خوب اے نسیم
جھونکے خزاں کے بنتے ہیں مضمون بہار کے

مضمون امنڈ آتے ہیں اس سبز خط کو دیکھ
میرے مزاج میں ہے طبیعت سحاب کی

نسیمؔ کے کلام میں دل فریبی بھی ہے دل گدازی بھی، زبان کی چاشنی بھی ہے، محاورے کی لذت بھی اور مضامین کی دِل کشی بھی۔ تاثیر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، ایک بار پڑھنے کے بعد بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے، کلام پڑھ کر آدمی غم بھول جاتا ہے۔ طبیعت شگفتہ ہو جاتی ہے اور دِل مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ تغزل کلام کا خاص وصف ہے، یہ حقیقت ہے کہ آپ کی زندگی خود ایک غزل تھی۔ نعت میں بھی تغزل چھایا ہوا ہے۔ بعض مضامین میں ضرورت اور حد سے زیادہ عریانی آگئی ہے۔ لیکن ایک رند مشرب اور عاشق مزاج شاعر کے قلم سے ایسے مطالب نکلتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نسیمؔ نے امانتؔ، ناسخؔ، رندؔ اور آتشؔ کی غزلوں کی تضمین بڑی خوبی سے کی ہے۔ یہ بڑی پُر لطف نظمیں ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت پیران پیرؒ کی مدح میں شاہ کمال کی مدح، ذکاؔ کی ایک غزل اور ایک شعر کی اور خود اپنی ایک فارسی غزل کی بھی اردو میں تضمین کی ہے۔ یہ بھی اچھی ہیں مگر مجموعی طور پر تضمینیں غزلوں کے مقابلے میں کچھ پھیکی ہی معلوم ہوتی ہیں۔

نسیمؔ کی ایک مثنوی جو اس مجموعے میں شامل ہے، نہایت ہی مختصر ہے لیکن اس سے اتنا اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ اس صنف میں بھی آپ اپنے جوہر دکھا سکتے تھے۔ علی اصغرؒ کا مرثیہ اور عموماً دوسرے سب مرثیے تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اول الذکر کا شمار آپ کی شاعری کے بہترین نمونے کی حیثیت سے ہونا چاہیئے، یہ مرثیہ آپ اپنا جواب ہے۔ اس کی زبان، طرز بیان اور مطالب اتنے موثر ہیں کہ سنگ دل سے سنگ دل آدمی بھی سُن کر رو پڑے گا۔ اپنی مرثیہ گوئی پر نسیمؔ کو ناز تھا، ایک مقام

پر میر مونسؔ پر اپنی فوقیت جتاتے ہیں، کہتے ہیں ؎

نسیمؔ اپنے در مضمون و مونسؔ میں فرق اتنا

یہ اعلےٰ ہیں وہ ادنےٰ ہیں یہ مہنگے ہیں وہ سستے ہیں

دراصل اُن کا یہ دعویٰ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص علی اصغرؓ کا مرثیہ پڑھنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔

نعت میں یوں تو غزل کا عام عاشقانہ رنگ آ گیا ہے مگر ان مطلعوں والی نعتیں جوشِ عقیدت اور فرطِ محبت سے پر ہیں ؎

مثلِ پروانہ وہاں لطف جُدا ہوتا ہے

جس جگہ نورِ نبیؐ جلوہ نما ہوتا ہے

نزع میں یاد مجھے کس کی ادا آتی ہے

جامِ کوثر لئے ہاتھوں میں قضا آتی ہے

دوسری نعت آج بھی اس علاقے میں بڑے شوق اور رغبت سے پڑھی جاتی ہے۔ نسیمؔ کا دعویٰ یہاں بالکل سچا معلوم ہوتا ہے ؎

زلفِ احمدؐ کا جو مضمون مجھے ملتا ہے نسیمؔ

طائرِ سدرہ تلک رشتہ بپا ہوتا ہے

خمریہ شاعری میں نسیمؔ سب سے جدا اور منفرد ہیں، حافظؔ نے فارسی میں اور ریاضؔ نے اردو میں خمریہ شاعری تو کی لیکن کبھی شراب کو ہاتھ تک نہ لگایا، لیکن نسیمؔ کا حال دگرگوں تھا۔ اُن کی شراب نوشی کا بیان حالاتِ زندگی میں کیا جا چکا ہے وہ شراب کی مستی سے آگاہ تھے۔ اور اُس کے کیف و سرور سے اچھی طرح واقف اسی لیئے ان کی خمریہ کلام میں بھی وہی کیف و سرور اور وہی بے خودی جھلکتی ہے، کلام کا مطالعہ کرنے والے بے پیئے مزے لے سکتے ہیں، گویا ایک شرابِ حلال

ہے۔ میکدہ دریف والی نظم کو ان کی بہترین خمریہ نظم کہنا چاہیئے ایک ریختی نما نظم بھی موجود ہے، شاید کسی طائف کے لئے لکھی ہوگی، ریختی گو شعرا کے کلام کے مقابلے میں اس کا رنگ نہیں جمتا۔

کلام سے نسیم کے حالات زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے اور اس زمانے کی تہذیب کا بھی ایک خاکہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً صبح کی توپ کا ذکر کرتے ہیں جو میسور میں صبح صادق ہوتے ہی سر ہوتی تھی،

آپ کا خاندانی لقب منکی نواب تھا، لیکن آپ نے اس میں تبدیلی کر کے اسے بانکے نواب بنالیا۔ یہ تبدیلی کس قدر مناسب اور پر لطف ہے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، کہا ہے ؎

پوچھتے پھرتے ہیں نسیم حسین — بانکے نواب کا کدھر گھر ہے

آپ کا بانکپن بے شک اس کا متقاضی اور مستحق تھا۔

تلمیحیں وہی پرانی لائی ہیں، لیکن ان کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ ان میں جدت کا رنگ اور ایک نئی لطافت پیدا ہو گئی ہے، مثلاً اناء عرضنا کی تلمیح کس خوبی سے نظم کی ہے ؎

کیا جانتے ہیں عشق فرشتوں کے فرشتے
یہ بار امانت کا ہے آدم کے حوالے

استعارے اور تشبیہیں وہی ہیں جو عام طور پر شعرا کے ہاں استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن ابتذال کی صورت کہیں نہیں آنے پاتی، نہ کہیں بے لطفی ہی پیدا ہوتی ہے مثلاً ؎

شب گئی اور روز ہوتا ہی رہا
عمر زلف و رخ میں کھوتا ہی رہا

برق کیوں ہنسنے لگی ان کی روش
ابر کیوں روتا ہے مجھ سا پھوٹ کر

قصیدہ نسیم نے بالکل نہیں کہا، البتہ مدح کہی لیکن اس میں ان کا رنگ نہیں جمتا۔ دو رباعیوں میں نظام دکن کی بھی تعریف کی ہے۔ بعض اشعار میں فلسفہ اور اخلاقی حقائق بھی بڑی خوبی سے نظم کیے ہیں۔ گویا یہ بھی ان کا میدان ہے مثلاً ؎

مٹی خراب ہو گئی انساں کی کس قدر
رکھے ہیں سر پہ جبر سے بوجھ اختیار کا

راہ گم کردہ کسی کا رہ نما ہوتا نہیں

ازل کے بگڑے کسی سے سدھر نہیں جاتے

دوست ناداں سے بہت خوب ہے دانا دشمن
دشمنی پر بھی تری مجھ کو محبت آئی

نسیمؔ پچھلی صدی کے شاعر تھے، زبان بھی اسی زمانے کی لکھی ہے۔ بعض ایسی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو بعد میں متروک ہو گئیں، لیکن اس زمانے میں زبان کا رنگ ہی ایسا تھا، یہ چیزیں اور شعرا کے ہاں بھی موجود ہیں۔ مثلاً نے کا عدم استعمال یا غلط استعمال، دیکھو کے بدلے دیکھیو، لاؤ کے بدلے لائیو کہنا اور مرے کے بدلے موے کہنا۔ دراصل اُن کی زبان کو اس زمانے کی عینک سے دیکھنا چاہیے۔ یہ بڑے مزے کی بات ہے کہ نسیمؔ کے چند مصرع اور شعرا کے ہاں بھی ملتے ہیں، مثلاً ؎

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

اور بعض مصرع معمولی تبدیلی کے ساتھ ملتے ہیں۔ مثلاً ؎

کیا اعتبار پیرہن مستعار کا

لیکن اسے توارد کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اولیت کا سہرا نسیمؔ ہی کے سر ہے۔

فارسی کلام

فارسی میں بھی تغزل کا وہی رنگ ہے جو اردو کا ہے شاعر ذو
لسانین ہوتا ہے تو ہر زبان میں وہی سلاسلب بیان ہوتے
ہیں لیکن جس زبان میں زیادہ مہارت ہو اس میں شاعری بہتر ہوتی ہے، نسیم
کے ہاں بھی یہی معاملہ ہے، ان کی اردو شاعری فارسی کلام سے اچھی ہے، لیکن اس
کے یہ معنے نہیں کہ فارسی کلام اچھا نہیں، اچھا ہے اور بہت اچھا۔ فارسی میں غزل بھی
کہی ہے، اور نعت بھی اور دونوں بہت خوب کہی ہیں۔ یہاں بھی وہی روانی
اور سلاست، وہی شیرینی اور گھلاوٹ، وہی تاثیر اور دل کشی جلوہ نما ہے تشبیہ
اور استعارے سے کلام کی رونق بڑھا دی ہے، ایک تلمیح مقامی آئی ہے، جو
قابل غور ہے کہتے ہیں ؎

در ایں امیدواری خاک گشتم اے بت ہندو
کہ بہر عید گوری می خرد آں لعبت گل را

دو تین پر لطف شعر ہدیہ ناظرین ہیں ؎

نالہ رسد بعرش و بجاناں نمی رسد
بلبل پرد مگر بگلستاں نمی رسد

قبا در موسم گل شد گریبانے کہ من دارم
کہ دارد بر جنوں احساں چو احسانے کہ من دارم

آمد بہار و ابر گہر بار چوں کنم
ساقی بیار بادہ کہ انکار چوں کنم

فارسی میں نسیم نے واقف کی ایک غزل کی تضمین بڑی خوبی سے کی ہے،
اصل غزل اور تضمین میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ چند بہترین اردو

اشعار بھی یہاں اِنتخاب کرکے پیش کئے جاتے ہیں جن سے نسیم کی شاعرانہ صلاحیت
کا اندازہ ہو جاتا ہے

وہ کون صبح نہیں کرتے شام کا وعدہ
وہ شام کون سی ہے جو مکر نہیں جاتے

طوفاں زا ہے آنسو ہمارا
دریا سمٹ کر قطرہ ہوا ہے

جی میں آتا ہے تخلص ہی بدل دوں اے نسیمؔ
شب کو جاتے ہی وہ کہتے ہیں اُجالا ہو گیا

خواب میں پھر وہ نظر آئے نہیں
تا قیامت میں تو سوتا ہی رہا

قبول کیجئے انکار کا مقام نہیں
یہ جام مے ہے پری وصل کا پیام نہیں

جذبۂ شوق شکار یار دیکھا چاہیئے
ہے رکابوں کا تصوّر دیدۂ نخچیر پر

برائے حور و جنت شیخ و زاہد
خوشامد کرتے ہیں کیا کیا خدا کی

ہے لطف دوستی غیروں سے پھر بعد
تو اول دل کو اپنے آشنا کر

جسم و جان میں بھی کسی موجب دلا ہے دوستی
بے غرض کوئی کسی کا آشنا ہوتا نہیں

قبر تنگ تا کمر کھُدی دیکھو　　　　میں نے مر مر کے کی کمر کی تلاش

جس روز سے وہ کافر تیر تکھ کو سدھارا ہے
اک آنکھ مری گنگا اور دوسری جمنا ہے

عرب کے جانور کو بھی شرافت دی ہے خالق نے
نہیں عمدہ کوئی گھوڑا جہاں میں اسپ بازی سے

میرے جگر کے درد کا چارہ کب آئے گا
اک بار آچکا ہے دوبارہ کب آئے گا

گور میں اپنے پاؤں لٹکے ہیں　　　　آستانے پہ یار کے سر ہے

قلقل کے ساتھ پڑھتے ہیں لاتقنطوا مدام
مستی میں ہوش رکھتے ہیں اصحاب مے کدہ

خاتمہ

اُردو میں نسیمؔ تخلص والے تین شاعر بہت مشہور گزرے ہیں، دیاشنکر نسیمؔ لکھنوی، اصغر علی نسیمؔ دہلوی، اور حسین علی نسیمؔ میسوری۔ پہلے دیاشنکر نسیمؔ، پھر اصغر علی دونوں کے بعد حسین علی تینوں کو ہم عمر نہیں تو ہم عصر یا شاعری کے ہم دور شاعر ضرور کہا جاسکتا ہے، تینوں اپنی اپنی جگہ ممتاز خوبیوں کے مالک تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ دہلوی تھے اور وہ لکھنوی اور یہ میسوری۔

نسیمؔ میسوری غالبؔ کے ہم عصر تھے، لیکن ان کا کلام سارے کا سارا لکھنوی رنگ

کا ہے، آتش و ناسخ کی تقلید کرتے تھے۔ زیبنیں بھی اکثر لکھنوی اساتذہ کی اختیا
کی ہیں۔ تاہم انہیں دبستان لکھنؤ سے منسوب کرنا بڑی بے انصافی ہوگا، آپ
اساتذۂ لکھنؤ کی تقلید تو کی مگر آپ کی تخلیقی قوتیں کیا کم تھیں، رہتے میسور میں تھے
اور شاعری بھی یہیں کرتے تھے، پھر آپ کی امتیازی خوبیاں الگ ہیں۔ اس حقیقت
سے آپ کو دبستان میسور کا بانی اور اپنے زمانے کے دبستان میسور کا سب سے
بڑا نمائندہ شاعر کہنا بالکل بجا ہوگا۔ آخر میسور والے اردو ہی تو بولتے ہیں، ان
کا اپنا ادب ہے، ان کی اپنی صحافت اور ان کی اپنی شاعری ہے، پھر
ان کا دبستان بھی الگ ہونا ضرور ہے۔ میسور کے اردو شاعر بھی زمانے کے
ساتھ چلتے آئے ہیں۔ آج اُن کے دبستان شاعری کا رنگ بالکل بدل چکا ہے،
بنگلور اور میسور کے نوجوان شاعر شمالی ہند اور حیدر آباد کے جدید اور ترقی پسند
شاعروں سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ کمی ہے تو صرف اس کی کہ مصنفوں اور
شاعروں کی پیداوار اشاعت پذیر نہیں ہوتی۔ وہ خود اس کی ہمت کرتے ہیں
تو بے توجہی سے مجبور ہو کر ایسی غلطی سے ہمیشہ کے لئے باز آجاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

ردیف الف

جلوہ نما ہے مطلع دیواں بہار کا!
اے گل عذار شکر ہے پروردگار کا

گلشن میں دھوم پڑ ہے جو نغمہ ہزار کا
دیواں سنا رہے ہیں نسیم بہار کا

نعتِ نبیؐ و حمد ہے پروردگار کا
دیواں مرا چمن ہے ہمیشہ بہار کا

آتا ہے کس بہار سے لشکر بہار کا
بیڑا اٹھا لیا ہے خزاں نے بہار کا

بعد فنا بھی عشق ہے دندانِ یار کا
دُرِ یتیم گُل ہے چراغ مزار کا

اک حور وش کے سینے سے لگنے کی بات ہے
عالم ہے میرے دل میں جناں کے انار کا

کعبے کا جامہ اور کفن کربلا نہ ہو
رکھ دو میرے مزار پر رومال یار کا

شوخیٔ چشم آئنے میں دیکھتے ہیں وہ
ہے شوق یار کو بھی ہرن کے شکار کا

یاقوت لب پہ مسی نے کیا گُل کھلا دیا
ریحان خط میں حُسن ہے خطِ غبار کا

کنگھی کرن ہے شمس کی آئینہ ماہتاب
صندوق آسمان ہے تمہارے سنگھار کا

سینچے ہوئے ہیں تھالے سدا اس جوئے چشم سے
ان کے چمن میں کام نہیں آبشار کا

ہم جن کو چاہے وہ بھی لگے چاہنے ہمیں
صدمہ کبھی اٹھائے نہیں ہجرِ یار کا

وہ بولتے نہ غنچۂ لب کھولتے تھے کچھ
مسی لگی تو گُل ہوا موجب غبار کا

موتی تمام سودۂ الماس کھا گئے
پڑ جائے عکس اگر کبھی دندانِ یار کا

لاتا ہے شوخ چشموں کو کس داؤ گھات سے
وحشیٔ دل ہمارا ہرن ہے شکار کا

حور آئیں لاج والی نگریں کے عوض
کشتہ ہوں خنجر نگہ شرمسار کا

یہ حسن یہ شباب ہے دو دن ہی پھر کہاں
کیا اعتبار پیرہنِ مستعار کا

تحریر پہ بھی کٹنے لگے حاسد و عدو
کرتا ہے کام کانگ مرا ذوالفقار کا

... تصویر یار کی
مجھ کو خزاں دکھاتی ہے نقشہ بہار کا

کچھ کھا کے مر ہی جاؤنگا رونا نہیں بھلا
مجھ کو کہاں جگر ہے ترے انتظار کا

پھونکے ہی جائے آتش عشق پری ما سے ہم
احسان سر پہ ہے قطرۂ اشکبار کا

مٹی خراب ہوگئی انساں کی کس قدر
رکھے ہیں سر پہ جبر سے بوجھ اختیار کا

دل کو بڑھائیے ہمیں گرفتار ہوکے ہم
اتنا کہاں تھا آپ کو لپکا شکار کا

شرما گئے وہ عاشق دنداں سے وصل میں
آب گہر میں غرق سراپا ہے یار کا

کیونکر کور باطنوں کو مرا شعر ہو پسند
اندھوں کو لطف کچھ نہیں فصل بہار کا

بندوق لے کے صبح کا تارا نکل چکا
جاگو نسیم خوب ہے قابو شکار کا

نعت شریف

نہ ثانی ہے نہ سایہ ہے الٰہی آپ کے قد کا
تو ہم کہنا بجا ہے تجھ کو ہی سایہ محمدؐ کا

نہیں تھا لامکاں میں بکی جو سایہ آپ کے قد کا
خدا کیونکر نہ بن جائے گا ہمسایہ محمدؐ کا

کلیم اللہ سے باتیں نہ کرتا طور پر ہرگز
خدا گر دیکھتا دل ہی سرمہ چشم احمدؐ کا

نہیں دیتا جہنم کو کوئی انسان کی صورت
طریقہ کون سکھلائے گا اللہ کو خوشامد کا

برنگ آئینہ جو صاف دل ہیں ان پہ روشن ہے
فلک کیا عرش ہے سایہ ترے تخت زبرجد کا

ہوائے نرگس فردوس زاہد کو مبارک ہو
دل رنجور ہے بیمار یارب چشم احمدؐ کا

زلیخا کی روش حور و پری جو زہر کھاتے ہیں
یہ خط روئے یوسف ہے کہ سبزہ تیری مرقد کا

خیال گیسوئے محبوب کو ثابت کیا حق نے
نہیں بے وجہ کعبے میں یہ جلوہ سنگ اسود کا

جہاں خورشید عالم تاب کی کچھ بھی نہیں قیمت
یہ ذرہ بھی ہے شیدا اس رخ محبوب سرمد کا

شب معراج میں محبوبؐ حق جب لامکاں پہنچے
کہوں کیا حاشیہ گرداں ہوا کون ان کی مسند کا

نظر آیا مدینہ صبر کی طاقت کہاں مجھ کو
نہیں ٹکرانے دو سر کو دکھا دو سنگ سرحد کا

خلیلؑ و نوحؑ و آدمؑ اور یونسؑ تیرے ممنوں ہیں
ہے کیا دشواریاں احمدؐ بر آنا میرے مقصد کا

خدا کے واسطے یا شاہ فرما رحم عاصی پر
دکھا دے پھر مجھے جلوہ ترے تخت زبرجد کا

تمنا جیتے مرنے میں نسیم اپنی ہے یہ جاں کی
ہو بلبل گل پہ اس کے اور پتنگا شمع مرقد کا

ہے بڑا رتبے میں یہ گرچہ ہے دیواں چھوٹا — جس روش اگلی کتابوں سے ہے قرآں چھوٹا
دل پر نور کی گیسو کو ترے قدر نہیں — کافروں کو نظر آتا ہے مسلماں چھوٹا
رستم زال بھی ہے تو مجھے کیا خوف رقیب — ہوں میں چھوٹا یہ نہیں میرا نگہباں چھوٹا
طبع نازک پہ تری بار نہ ہو پڑھتے ہیں — اے پری ہم نے لکھا اس لئے دیواں چھوٹا

[illegible] ہو مرا کام تمام | کہیں ہو جائے نہ یارب دلِ ناداں [illegible]

جان ادا حق کے نمط حاضر و غائب ہی سہی | ہے بڑی بات دہن ہے ترا اے جان [illegible]

مر گئے تو بھی نہ نکلیں گے مدینے سے نسیمؔ
کہ دو رضواں سے تمہارا ہے گلستاں چھوٹا

میں نہ منت کش انگور ہوا خوب ہوا | چشم مخمور سے مخمور ہوا خوب ہوا
شعلۂ آہ مرا نور ہوا خوب ہوا | ان کا گیسو شب دیجور ہوا خوب ہوا
نکہتِ زلف سے مسرور ہوا خوب ہوا | سانپ کے زہر سے مخمور ہوا خوب ہوا
سر جو قدموں پہ رکھا ہاتھ سے سرکا نہ دیا | عجز پر میرے وہ مغرور ہوا خوب ہوا
آئے پریوں کے پرے وصف کمر کھلوانے | مثل عنقا کے میں مشہور ہوا خوب ہوا
اس جہاں کے نظر آتے ہیں تماشے مجھ کو | دوربیں دیدۂ ناسور ہوا خوب ہوا
اب انا الحق کے کہے پر نہیں مارے جاتے | اس زمانے میں جو منصور ہوا خوب ہوا
پھنس گیا ہے کسی گیسو میں دل خانہ خراب | دشمن جانی سے میں دور ہوا خوب ہوا
میرے درماں ہیں بدل مردم بادام فروش | چشم بیمار سے رنجور ہوا خوب ہوا
اشک سے چشم کے ہم زخم جگر دھوتے ہیں | خون دل بادۂ انگور ہوا خوب ہوا
ہم نے دنیا ہی میں جنت کا مزا لوٹ لیا | مہرباں ہم پہ جو وہ حور ہوا خوب ہوا
بے حجابانہ گلے لگتے ہیں دور اور چلے | چشم بد دور وہ مخمور ہوا خوب ہوا
زانوئے زہرہ جبیناں پہ دھرا رہتا ہے | سر مرا کاسۂ طنبور ہوا خوب ہوا
وعدہ شب کا تھا مجھے دن کو وہ دیکھا تو کہا | نام زنگی اجی کافور ہوا خوب ہوا

کیا ہی خوش گو ہے نسیمؔ اہل سخن کہتے ہیں
باغ ہند آپ سے معمور ہوا خوب ہوا

قیامت کر رہا ہے آج عالم ان کے جوبن کا
یہ مجھ سے تنتے جاتے ہیں نہیں کچھ ہوش، انھیں تن کا
گماں ہوتا ہے ہر ہر کو کنھیا اور ناگن کا
جو سایہ رقص میں آتا ہے سر پر ان کے دامن کا
نہ تنہا دل کو لیتا ہے تمھارے مالے کا منکا
چلا ہے ڈھلتے ڈھلتے منکا منکا میری گردن کا
تمھاری میٹھی باتیں ہو گئیں کچھ اور ان روزوں!
لگا میٹھا برس شاید نہیں ڈھنگ اب لڑکپن کا
جلاتا ہے جو ہر دم آتش دستِ حنائی سے
مرا دل عرش ہے اے بُت نہیں مُردہ برہمن کا
شہیدانِ زماں کے خون میں کیسی اوداہٹ ہے
تمھارے تیغ کا پھل ہے کہ یہ پتا ہے سوسن کا
جو وہ بحرِ ادا موجِ تبسم سے مجھے دیکھے
کلیجہ پانی پانی ہو کے بہ جاتا ہے دشمن کا
پپیہا گاؤ ساون کو کہتے ہیں کوئلیں ہر سو
گھٹا ہے کالی کالی باغ اور موسم ہے ساون کا
مے و ساقی نسیم و گل برنگ ابر آتے ہیں
بیاں میں جب مرے ان کا خیال آتا ہے گلشن کا

گلے میں ڈالا ہے اس گل نے ہار پھولوں کا
جلے گی دیکھ کے جلوہ بہار پھولوں کا
نہ لیتو چوٹی سے تم اپنے ہار پھولوں کا
کمر اٹھا نہیں سکنے کی بار پھولوں کا

وہ موتیا میں بساتے ہیں اپنے جوڑے کو
دماغ لائے گا شاہ تتار پھولوں کا
گلاب گال کچیں گیند آنکھ نرگس ہیں
یہ آپ ہی کو ہے زیبا سنگار پھولوں کا
جو خر دماغ ہیں کیا اُن کو شعر تر کی ہے قدر
نہ سمجھے کاہ سا رُتبہ حمار پھولوں کا
نکالی کینچلی کالے نے سنبلستان میں
اتارے چوٹی سے وہ باسی ہار پھولوں کا
نسیمؔ وصل مُبارک ہو بخت جاگ اٹھے
لباس پہنا ہے وہ گلعذار پھولوں کا

سرِ نوشہ کے مرے شاہ نے باندھا سہرا
سورۂ نور کا دکھلاتا ہے جلوہ سہرا

رِشتۂ یعقوب نے رکھی ہے رُخِ یوسف پر
چشم بد دور کہ ہے زلفِ زلیخا سہرا

باغِ الفت سے حسینوں نے جو کلیاں بینی
اس پری کے لئے پریوں نے بنایا سہرا

جدولیں سونے کی یاقوت رقم نے کھینچی
یا ہے مصحف پہ یہ سرلوح مطلاّ سہرا

جلوۂ طورِ رُخ کا موسیٰ کو گماں ہو جاتا
میرے نوشہ جو ذرا دیکھتے سر کا سہرا

شعلۂ حسن جو اُن کا نہ چھپا سہرے میں
عجز سے آپ کو قدموں پہ گرایا سہرا

ہوتے پڑپوتوں کے تم باندھیو سر کو ہرے
جیسا بابا نے تمھارے تمھیں باندھا سہرا

حب کا تعویذ بنے پھول ہر اک سہرے کا
وصلِ یار اس کو ہو جس نے ترا دیکھا سہرا

اوفتادہ بھی ہے یہ اور بڑا شوخ بھی ہے
گل رخسار کا نے لیتا ہے بوسہ سہرا

سہرا جو باندھتے ہیں ہند میں نوشاہوں کو
چشم بد کے لئے شاید ہے یہ نکلا سہرا

پنجۂ مہر سے زہرا نے بلائیں لے لیں
جب نسیمؔ چمنِ شوق نے لکھا سہرا

کس چمک پر برقِ وشی کے کان کا بالا ہوا / بجلیوں سے اک جہاں دم میں تہ و بالا ہوا
سبزۂ خط میں تمہارے ہیں عجب کیفیتیں / خلق بنگی بن گئی ہر شہر بنگالا ہوا
عشق دنداں میں جو میں نے بحر پر نالے کئے / ہر درِ غلطاں صدف کے لب پہ تبخالا ہوا
اُس بھبوکے گال پر زلفِ سیہ ہے یا دھواں / ناگ ہے یا طائرِ شعلہ کا پر کالا ہوا
زہرہ وش کے ساتھ ہیں اب کے ملک بھی پھاگ میں / مجھ کو حیرت ہے گلِ قدوس کیوں کالا ہوا
خود محبت سے نشیلی آنکھ جھپکے جاتے ہیں / آرزو نکلے گی میری یار متوالا ہوا

اِک زمانے کو حسد ہے تیری قسمت پر نسیمؔ
جس کو تو چاہا وہ تیرا چاہنے والا ہوا

عاشقِ زار ترا کس لئے نالاں ہوتا / کچھ ذرا پیار بھی دل میں ترے اے جاں ہوتا
تم عنایت سے جو پلکوں کی جھپک دکھلاتے / دل مرا شانۂ گیسو سے پریشاں ہوتا
یوں زلیخا کو ہٹانا تو ہے بس ہٹ دھرمی / رحم کرتا تو پیمبر مہِ کنعاں ہوتا
دُر جو ہوتا تو گلے کا میں ترے ہوتا ہار / ہوتا ہیکل تو ترے سینے سے چسپاں ہوتا
دوش پر اپنا تنِ زار پڑا ہی رہتا / گرد دوپٹے کا ترے گوشۂ داماں ہوتا
جاں سپاری سے تو بوسہ نہ ملا اس لب کا / سُرخ رو لاکھوں میں ہوتا میں اگر یاں ہوتا
عید کے روز جو تم عیدی سنائے ہوتے / صدقے تو کیا اے مری جان میں قرباں ہوتا
ہائے کس لطف سے تم مجھ کو لپٹ ہی جاتے / گر مری طرح تمھیں وصل کا ارماں ہوتا

گھومتا کس لئے یوں جنگل و صحرا میں نسیمؔ
آپ کے گھر میں ہی رہتا جو وہ درباں ہوتا

تیری محفل میں جو میں اے شہِ دوراں ہوتا
ایک گلابی کی روش ہر خمِ ریحاں ہوتا

ہجر گیسو میں جو میں داخل بستاں ہوتا
نگہت گل سے دماغ اور پریشاں ہوتا
میزبانی کی خبر بس تھی کہ تو مان نہ مان!
کھیلتا جان پر اور میں ترا مہماں ہوتا
خونِ دل اپنا پلاتا میں جو تم مے پیتے
آتشِ رخ پہ جگر نقل کو بریاں ہوتا
طاق نسیاں پہ رکھے جاتے ہمارے عصیاں
روزِ محشر جو ترے رقص کا ساماں ہوتا
میں نے بوسہ جو لیا روٹھ گئے جھنجھلائے
آپ ہی بوسہ مرا لیتے تو احساں ہوتا

نہ وہ آنکھ مجھ سے لڑا لیا نہ کبھو گلے سے لگا لیا
نہ وہ پاس اپنے بٹھا لیا یوہیں مفت بندہ بنا لیا
مجھے اس نے بوسے دیے تو کیا میں نے اس کے بوسے لئے تو کیا
یہ کہاں کا ربط ہے ناصحا جو تو پوچھتا ہے دیا لیا
ٹلے ہاتھ کیوں نہ کھڑے قضا تجھے یہ خدا نے ہے دی ادا
اسے لب ہلا کے جلا دیا جو بھوؤں پہ سر کو کٹا لیا
مرا یہ کلیجہ ہے او صنم مرا یہ کلیجہ ہے او صنم
ہے کوئی زمانے میں کوہِ غم تو خوشی سے سر پہ اٹھا لیا
وہ نسیم صبح سے چونک اٹھا تو گلے سے گرم لپٹ گیا!
جو کسی کے آنے کا ڈر ہوا میں دو شالہ منہ پہ اڑھا لیا

میرے احوال کا افسانہ بنایا ہوتا ہر پری زاد کو دیوانہ بنایا ہوتا
تو جو روشن مرا کاشانہ بنایا ہوتا منہ ہر ایک شمع سے پروانہ بنایا ہوتا
ہار تو اس کے گلے کے نہ بنے اشک مرے دل کو بالے ہی کا دُر دانہ بنایا ہوتا
دیکھی مسجد کی بنا میں نے یہ دل میں سوچا کاش اس جا کوئی میخانہ بنایا ہوتا
دیکھتے شوق سے چھاتی کو لگا بھی لیتے دِل کو آئینۂ جانانہ بنایا ہوتا
حسرت بوسۂ لب کس لئے جاناں رہتی خاک سے میرے جو پیمانہ بنایا ہوتا
سر کو بازو پہ مرے آپ جو رکھ کر سوتے زلف کا پلکوں ہی سے شانہ بنایا ہوتا

چمن کوچۂ جاناں میں جو ہوتا میں نسیمؔ
غیر کو سبزۂ بیگانہ بنایا ہوتا

میرے جگر کے درد کا چارہ کب آئے گا اک بار آگیا ہے دوبارہ کب آئے گا
نیند آئے کب نصیب پیارا کب آئے گا آرام جان و دل کا سہارا کب آئے گا
حور و پری بھی خوب ہیں انساں سے مگر یہ ناز یہ انداز اشارہ کب آئے گا
دیوانے بن کے جنگل و صحرا میں پھرتے ہیں دھیان اس پری کے دل میں ہمارا کب آئے گا

اللہ کا نام لے کے بتوں کو لکھو نسیمؔ
پیغام وصل ہم کو تمہارا کب آئے گا

اس گل کا جب نسیمؔ سے آنچل الٹ گیا کیسی حیا ہے آپ ہی دامن سمٹ گیا
آئے نہ یاد آتے ہی وہ جور و ظلم کچھ مانند کاہ کاہ ربا سے چمٹ گیا
گردش مرے ستاروں کی یا آسماں کی تھی اس کا چلن جو مثل زمانہ پلٹ گیا
ڈورے بھی چشم مست کے ڈورے ہیں تیغ کے جھپکی جو اس نے آنکھ مرا حلق کٹ گیا

شکر خدا کہ جس کو منانا تھا ہم نسیمؔ
ہم کو منا کے وہ ہی گلے سے لپٹ گیا

آئی بہار دور ہو ساقی شراب کا
دریا بہا دے بزم میں اشک کباب کا

اس آفتاب رخ پہ نظر اپنی پڑتے ہی
شبنم کے طرح اڑ گیا پردہ حجاب کا

کس بے وفا پہ مرتا ہے کیا کہیئے اسے
گھر اور ہو کہیں دل خانہ خراب کا

کرنے تو دو سوال نکیرین ہیں تو کیا
عاشق ہوں میں بھی اک بت خانہ خراب کا

ہر دم وہ مجھ کو دیکھ کے ابرو چڑھاتے ہیں
پیاسا ہے خنجر ان کا مرے خون ناب کا

قدموں کو چومتا ہے صنم آتے جاتے ہیں
کیوں سنگ میں بنا نہیں تیری جناب کا

صدمے فراق یار کے کیا کم ہیں اے نسیم
محشر میں مجھ کو خوف نہیں کچھ حساب کا

یہ کس کے سوگ میں عزم شکار بند ہوا
جو زیب زین نہ مری جان شکار بند ہوا

نگاہ لطف ہوئی مرغ روح بند ہوا
تمہاری آنکھ کا ڈورا مجھے کمند ہوا

دہان شیشہ ہے کاگ سے جو بند ہوا
گلے میں سرمہ چشم پری کمند ہوا

کمال مہر ہے جو پوچھے اس نے اشک مرے
جو زیب دست جواہر سے دست بند ہوا

ہزار بار گلستان سنائی سعدی نے
بغیر عشق ہمیں کچھ نہ سود مند ہوا

نظر لگے نہ کہیں گوہر عرق کو ترے
در یتیم ہر ایک دانۂ سپند ہوا

ہے جبرئیل فلک پر تو کیا اسیر نہیں
قفس بنا جو در آشیانہ بند ہوا

نہ بات کرتے نہ ہنستے ہیں کیا شکر رنجی
بدولت آپ کی گھر اپنا یار قند ہوا

نصیب اس کا ہے دنیا ہے اس کی دل اس کا
جو عاشق آپ کو خدمت کے بھی پسند ہوا

نہا کے بال سکھانے وہ بام پر آئے
ستارہ طالع خورشید کا بلند ہوا

مرے غبار سے پروانے ہو گئے پیدا
چراغ پا جو کہیں یار کا سمند ہوا

شریک حلقۂ ماتم ہیں خیر سے وہ بھی
خدا کا شکر کرو رقص دست بند ہوا

غضب ہے ہمت گریہ مری موے پر بھی
کہ اشک خاک سے فوارہ سا بلند ہوا

الٰہی میں تو ہوں دیوانہ اور وہ کم سن ہیں
میں جانتا نہیں وا کیوں قبا کا بند ہوا

سُنا تمام محرم میں روضۃ الشہدا — تو اپنے مرثیۂ غم کا ایک بند ہوا
کہیں کدھر گئی زاہد عبادتِ ابلیس — وہ آدمی ہے جو اللہ کو پسند ہوا
میں روؤں کس کو مری نعش پر وہ روئے نہیں — کہاں زمانے میں معشوق دردمند ہوا
وہ سازوار سمجھتے ہیں باندھنے گاتی — تمامی رونے ہیں درزی کہ سینہ بند ہوا
پہن لو تم یہ علی بند کھول دو اس کو — یزید سارے حسین کا حسین بند ہوا
وہ نے سوار ہے درس آئے گا شاید — کہ طا و ظا ہیں رکاب اور الف سمند ہوا
ہوا جو عزم قدم بوسیٔ سمندِ پری — خیال پیک صبا شکل نعلبند ہوا
شریکِ حال ہے صیاد بھی نزاکت سے — کہ میں قفس میں ہوں وہ میرے دل میں بند ہوا

رہا چمن میں ہمیشہ بہار کے وہ گل
نسیم عاشق شیدا جسے پسند ہوا

کوئی شیدا نہ ہو چشمِ بتِ ہرجائی کا
گھیرنا کھیل ہے کیا آہوئے صحرائی کا
پل کی جا پاس الٰہی ہو ہر ایک ساعت میں
وصل ہے آج کی شب اک بت ترسائی کا
میرے مرنے کی دعا مانگے وہ تا روزِ وصال
کچھ سُنے حال جو میری شبِ تنہائی کا
اب وہ آنکھوں سے بھی مُردوں کو جلانا سیکھے
کام بیمار سے لیتے ہیں مسیحائی کا
مجھ سے عاشق سے بھی انکار قیامت آئی
شیوہ معلوم نہیں تم کو دل آرائی کا
دل سے آنکھ سے دل میں مرے تم پھرتے ہو
خوئے ہرجائی ہے یا خوف ہے رسوائی کا

تری قسمت کو کہاں تک کوئی روئے گا نسیمؔ
کیا تجھے عشق ہوا اس بتِ ہرجائی کا

ڈھیر ہے دل پر وسادس کے خس و خاشاک کا
بجھ گیا ہے ہجر سے شعلہ مرے ادراک کا

اوک سے خالی کیا خم آب آتش ناک کا
پی گیا خورشید محشر کو یہ پتلا خاک کا

نرم دل کیا جلد لے لیتے ہیں سب ستوں کا حال
موم سے کیا خوب بن جاتا ہے نقشہ تاک کا

تمسکی ہے خفتہ بختی کا سبب اسے ہمکو
اونگھتا رہتا ہے جس کو شغل ہے تریاک کا

وہ بھی دن ہو گا کوئی بولے جو دربان دوڑ کر
خط لے آیا ہے کوئی اک آج اردل ڈاک کا

زورِ دلوانہا نہیں طبع رواں کو چاہئے
تازیانہ چاہیے دل کیا توسن چالاک کا

کیوں نہ قینچی کے نمط اس کی زبان ہم پر چلے
اب رقیبِ روسیہ ہے ناک اُن سے ناک کا

تیری کج بینی سے گردوں کا کلیجہ پک گیا
تیل چھڑکا آتش خورشید پر تل ناک کا

فرقتِ گل رو میں کیا لکھوں غزل میں اے نسیمؔ
مجھ کو سمجھانا ہے مشکل اس دل غمناک کا

رات وصلِ یار کی آکر اُجالا ہو گیا
اِک مرو باتوں ہی میں بولا مرغ تڑکا ہو گیا

بیٹھے بیٹھے دل بتوں کو دے کے رسوا ہو گیا
میں نے کیا سمجھا تھا یارب ہائے یہ کیا ہو گیا

مے سے جو لب ریز اے ساقی پیالا ہو گیا
دے نہ دے تو میرے پینے کا اشارہ ہو گیا

شرم کہتے ہیں اسے بوسے کا آتے ہی خیال
جسم نازک اس پری رو کا پسینا ہو گیا

زلفِ ساقی کا لیا بوسہ پری نے کیا بلئیں
جام لے لو ہاتھ سے سم کا پیالا ہو گیا

نرگس و گل نے جو دیکھا چشم و گوش یار کو
ایک اندھی ہو گئی اور ایک بہرا ہو گیا

شوق کی عقدہ کشائی کا مقر ہوں اے پری
سینے سے سینہ لگا بندِ قبا وا ہو گیا

لے چلو اس آئنہ رو پاس تو معلوم ہو
جان جاتی ہے رہی یا مجھ کو سکتا ہو گیا

خط کہاں نکلا انھیں اے چرخ سبز انھا کر
عاشقوں سے ترکِ الفت کا مچلکا ہو گیا

جی میں آتا ہے تخلص ہی بدل دوں اے نسیم
شب کو جاتے ہی وہ کہتے ہیں اُجالا ہو گیا

ہے ۔۔۔ بھی احمر والا
ہو گیا ذبح مگر ہائے کبوتر والا
اور گل پر نہیں کس واسطے بلبل شیدا
بیڑیاں پاؤں میں منت کی ہے جوتی سر پر
خوں بہا کی جو طلب ہو تو پتا بتلاؤں
بازگشت آج تلک خط کسی گل نے نہ کیا
شرم سے گر نہیں لکھ سکتے ہو اقرار وصال
جان کا مول کبھی بن جائے تو عاشق لیں گے
شرم کیسی ہے سواری سے اترتے نہیں کیوں
پاؤں تو گور میں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہوں
مار گیسو نے کلیجے کو مرے کاٹ لیا
طبع رنگیں سے کسی کی ہے یہ ایجاد نئی
ہو نہ کیوں پردہ پری ڈھونڈ نکالے گا کبھی
ساغر سے کہیں ملتا ہے پرستش سے نسیم
پیر مے خانہ نہیں چشمۂ کوثر والا

دشمنی کرتا ہے داماد سے دختر والا
نامۂ یار ہے کیوں سرخ کبوتر والا
سرخ رو ہے وہی دنیا میں ہے جو زر والا
کیا پری زاد لفافہ ہے کبوتر والا
قصہ کوتہ کہ وہی تھا کوئی خنجر والا
شقۂ لالہ لفافہ ہے کبوتر والا
اک لفافہ مجھے بھجوا دو کبوتر والا
کیا ہی ارزاں یہ لفافہ ہے کبوتر والا
کوئی بیگانہ نہیں اور نہیں باہر والا
اور کب آپ بناتے ہیں مجھے گھر والا
دوڑیو دیکھیو لوگو کوئی منتر والا
شکل عنقا تھا لفافہ یہ کبوتر والا
ہے کبوتر مرا جبریل کے شہپر والا

شب گئی اور روز ہوتا ہی رہا
میں ہر اک شب قتل ہوتا ہی رہا
درد میرے دل کو ہوتا ہی رہا
وصل سے اے گل ہوا کب میں نہال
تو غضب کا ناخدا ہے عشق میں بھی
ہم ہے ہنستے ہی ان کے وصل سے
اور بڑھتی ہی گئی تر دامنی

غم زلف و رخ میں کھوتا ہی رہا
تیغ بازو دے کے سوتا ہی رہا
پاس غیروں کے وہ سوتا ہی رہا
تخم الفت گرچہ بوتا ہی رہا
کشتیٔ عاشق ڈبوتا ہی رہا
غیر مثل ابر روتا ہی رہا
اشک سے دامن کو دھوتا ہی رہا

اشک اک طوفان ہے سوتے جاگ اٹھے دیدۂ گریاں تو سوتا ہی رہا
رہزنی کرتا رہا دزدِ حنا عاشقوں کا خون ہوتا ہی رہا
خواب میں پھر وہ نظر آئے نہیں تاقیامت میں تو سوتا ہی رہا
شاہِ تھیا چل بسا رتنا گری اور غدر برما میں ہوتا ہی رہا
کس کو آسایش ملی ہے زیرِ فلک اِنقلابِ دہر ہوتا ہی رہا
ابر بن بن کر غبارِ قیس بھی مرقدِ لیلیٰ پہ روتا ہی رہا
گورِ اسکندر کی ملتی ہی نہیں چارسو آئینہ ہوتا ہی رہا
ماجرا ہے کیا نہیں پوچھا کوئی برقِ خنداں ابر روتا ہی رہا
برف وے پیتا رہا اس دہر میں سرد و گرم ایسا سموتا ہی رہا
طالبِ مولا ہو جنت کیا نسیمؔ
پاس حوروں کے تو سوتا ہی رہا

پھر بھی گرا ہارے میں غش کھا گیا پھر وہ مزا وصل کا یاد آگیا
پڑ گیا سینے پہ جو نشے میں ہاتھ مطلبِ دل کو وہ مرے پا گیا
پیار نہ آیا اُسے افسوس کچھ دردِ دل اپنا میں سنا تا گیا
دام میں آکر نہ رہا بحرِ حسن دل کو مرے مچھلی سا تڑپا گیا
کھیلتے ہیں جان پر اپنے نسیمؔ
آپ کا اے سیم بدن کیا گیا

مرثیہ

شہ کو امت کی جو بخشش کا نہ ارمان ہوتا
بجری کس لئے ویراں وہ گلستان ہوتا

...بدلے
ہوش اُڑتے درِ شہوار کے غلطاں ہوتا
(ق)
شہ نے فرمایا کہ ظالم نہیں دنیا کی ہوس
چاہتے ہم تو فلک تابعِ فرماں ہوتا
پیر تھا پھرتا جہاں مردم آبی کی روش
دشت بن جاتا سمندر ابھی طوفاں ہوتا
حور و رضواں مری خدمت کے لئے حاضر تھے
آکے جبریل امیں شوق سے درباں ہوتا
تا ابد ہم کو جو جینے ہی کی خواہش ہوتی
خضر ہی ساتھ لئے چشمۂ حیواں ہوتا
چرخِ چارم سے مسیحا کا پھر آنا کیا ہے
میرے سجاد کو منظور جو درماں ہوتا
گر نہ سنتے سرِ شبیر سے قرآن مجید
ایک بھی کافرِ بے دیں نہ مسلماں ہوتا
پھینک چادر کو سکینہ شبِ غم کہتی تھی
نیند آتی مجھے بابا کا جو داماں ہوتا
دین کے واسطے بچوں کو لٹایا شہ نے
سخت بے دین ہے وہ جو نہیں گریاں ہوتا
سر کھلے دھوپ میں سب اہلِ حرم جلتے ہیں
بھوک کا پیاس کا کوئی نہیں پرساں ہوتا
خوں بھری صورتِ اصغر کو کہا شاہ نے دیکھ
خط نکلتا تو یہی معنیٔ قرآں ہوتا

روح بسن جاتی مری گلشنِ رضواں میں نسیم
مثلِ حر شاہِ شہیداں پہ جو قرباں ہوتا

ملا جو خاک میں دانہ وہی نہال ہوا
حیات بعد ہوی پہلے اِنتقال ہوا

جلایا وصل سے جس دم مرا وصال ہوا
حیات بعد ہوی پہلے اِنتقال ہوا

نکالا آبِ بقا خضر نے جو مر مر کے
حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

فراقِ ابرو میں لب کا ترے خیال ہوا
حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

شہیدِ تیغِ ادا ہوں قضا نہیں مجھ کو
حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

بہ رنگ دانہ ملا خاک میں نہال ہوا
حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

مرے غلام و کنیزک تو بے وفا ہیں مگر
حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

امیر لائیں جو روسی سپاہ کو تو کہیں
حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

یہ التزام غضب کا ہے اس غزل میں نسیم
حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا

کھینچے مانی و بہزاد جو نقشا میرا
پاؤں پر سر کسی محبوب کے رہتا میرا

آ لپٹ چھاتی سے ٹھہرا ہے دھڑکا میرا
ہجر سے آیا ہے اب منہ میں کلیجہ میرا

شعلۂ طور کی صورت کی بلائیں لے لیں
ید بیضا ہے ہتھیلی کا پھپولا میرا

وصفِ گیسو سے پریشاں ہیں فرشتے خاں بھی
اے بتو دیکھیو کیا بول ہے بالا میرا

میرے مرنے کی خبر سن کے وہ نلواں بولا
جان پر کھیل گیا عاشق رشید امیرا
بے تکلف ہوں بہت اُس سے بھی پی لوں گا شراب
ساقیا غم نہیں کچھ ٹوٹے جو کا سا میرا
ہندوی خال کے مضمون بہت باندھا ہوں
کیوں نہ ہو ہند کے ہر کوچے میں چرچا میرا
شکوہ یار کروں یا کہ رقیبوں کا گلا!
اجی کس کس نے نہیں صبر سمیٹا میرا
مار کاکل کے تصوّر میں جو تپ آنے لگی
سانپ کا زہر ہوا سارا پسینا میرا
نہیں گھر اگ پھکتا ہوں خوش الحانی سے
سن اے صیّاد ذرا کچھ تو سندیسا میرا
دھوکا ناگن کا ہوا زلف پہ چیخیں ماریں
ہاتھ میں ہاتھ جو لے ٹہلا کنھیّا میرا
یاد ہے یاد ہے بھولا نہیں میں او کافر
منہ چھپانا ترا اور گال کترنا میرا
یا خدا نازبتوں کا نہیں اٹھتا مجھ سے
کیوں بنایا نہیں پتھر کا کلیجا میرا
میں نے دی جان شب وصل تو رو رو کے کہا
ہو گیا نہر نسیم آپ کو بوسا میرا

چرچا جو باغ میں ہو مرے دل کے داغ کا
مانندِ بو ہوا ہو وہیں رنگ باغ کا

بخت سیہ سبب ہے مرے دل کے داغ کا
اندھیرا ہو گیا قدم آیا چراغ کا

وحشت بہت ہوئی رخِ رنگیں کے دھیان سے
قوت جنوں کو دینا ہے نظارہ باغ کا

قوت ہے بزم طبع سے طبع لطیف کو
نکہت سے زور ہوتا ہے زائد دماغ کا

کیا خوف مہر حشر ہے اے ماہ رو مجھے
بازوے دل پہ باندھا ہے تعویذ داغ کا

فیاض عالی ظرف کو گردش ہے دور کی
دیکھو مدام دور ہیں ہے سرایاغ کا

روشن مزاج والوں پہ جلتے ہیں تیرہ فکر
شب گرد چور ہوتا ہے دشمن چراغ کا

بلبلیں تمام اڑ گئیں گلزار سے نسیم
ہر گل پہ دیکھو سبز قدم ہے کلاغ کا

فوق النقاط

محفل آرا وہ اگر حور کا مکھڑا ہوگا
ہمدمو گھر مرا فردوس کا ہمتا ہوگا

دل کو اس گل رخسار کا سودا ہوگا
خشک ہونٹ آنکھ ہو تر تن مرا کانٹا ہوگا

زخم کھا اور ہوں خواہاں کہ لگا اور اک وار
خانۂ زخم کو اس زخم کا غرفہ ہوگا

عشق کافر کا تصور ہو ذرا گر دم مرگ
استخواں ہر مرا ناقوس صنم کا ہوگا

دل شکستہ تو ہوا کا فرو دکھلاؤ نشان
سنگ دل کون گھر اللہ کا توڑا ہو گا

تحت النقاط

ابروئے یار کا معلوم اسے چسکا ہو گا
پھل جو صمصام کا ہر دم کوئی کھایا ہو گا
وہ پری رو جو مرا مائل صہبا ہو گا
مہر ہو جائے سبو ماہ پیالا ہو گا
جسم سے جی ہے پرے اور رہے سایہ سے چمک
یارب آسیب مجھے کیسی پری کا ہو گا
وہ سپاہی پسر آجائے ارم میں گر یاد
موجۂ بادِ بہاری مجھے برچھا ہو گا
اس مسیحا کا جو ہمسایہ مجھے یاد آیا
گور پر سایۂ دیوارِ کلیسا ہو گا
طائرِ روح گر اس مہر سے ہو وے بسمل
مہر کی طرح لہو کا مرے دھبا ہو گا
اے سحر جس کو ہوا اسم کی میرے ہووے
اس کو کہہ دیجیے ہمسر وہ صبا کا ہو گا

آج صیاد نے بھولے سے چمن دکھلایا
میری تقدیر نے پھر مجھ کو وطن دکھلایا
عین مستی میں جو وہ شوخ ہوا سرکہ جبیں
یہ اڑے ہوش کہ نشے نے ہرن دکھلایا
جھٹ پٹا وقت ہوا موت کا سامان شب وصل
سحر ہجر کا گردوں نے کفن دکھلایا
چاند کو دیکھتے ہیں لوٹتے انگاروں پر
تم نے کیوں کبک دری کو یہ چلن دکھلایا
آئے واللہ دل حیران میں کیا کچھ ارماں
اس نے آئینہ کو تن تو... دکھلایا

مرتے جیتے ہی رہے ہم تو اجی دم دم میں
نہ مگر اس نے دکھائی نہ دہن دکھلایا

یاد میں پھول سے گالوں کے نہ سنبھلا دل کو
کبھی نسرین تو کبھی اس کو سمن دکھلایا

پھر ترا شورِ تبسم جو نمک ریز ہوا
پھر مرا تازہ مجھے زخمِ کہن دکھلایا

کل جو تھا وعدۂ وصل آج وہ فردا نکلا
دن قیامت کا تو اے وعدہ شکن دکھلایا

کیوں نہ میں خار بنوں چشمِ رقیباں میں نسیم
پھول سے گال مجھے غنچہ دہن دکھلایا

مے سے جو لب ریزِ شیشہ ہو گیا — میرے پینے کا اشارہ ہو گیا
تھا خیالِ زلف سودا ہو گیا — کام جو کچا تھا پکا ہو گیا
جب سے اِن آنکھوں کا شیدا ہو گیا — دل مرا پس جا کے سرمہ ہو گیا
دل مرا اُن کا کھلونا ہو گیا — آپ دیکھیں کیا تماشہ ہو گیا
ہے جہاں کے درد کا صورت پذیر — دل مرا غم کا ہیولا ہو گیا
خواب میں دیکھی شبیہِ سیم تن — یک قلم موقوف سونا ہو گیا
دیکھ کر میرا چراغِ داغِ دل — طور کا شعلہ پتنگا ہو گیا
ہاتھ لگتے ہی بدن کو وصل میں — اور کچھ ان کا ارادہ ہو گیا
زلف کو چھوتے ہی جو لوٹے سرک — کام کیا ایسی خطا کا ہو گیا
کیا کہوں خلوت میں جب آیا رقیب — ہول ان کو مجھ کو دھڑکا ہو گیا
پاؤں پر گرتے ہی اس نے اف کیا — میرا جسمِ زار کانٹا ہو گیا
وصف کیا لکھوں حجابِ یار کا — خونِ دل میرا پسینا ہو گیا

یاد کب ہے زلف کافر کی نسیم
دل میں ناگوں کا بسیرا ہو گیا

میرے صیاد نے کیا بازِ نظر چھوڑ دیا
نہ ملا طائر کو جو تو نے اے قمر چھوڑ دیا
ہاں بجا ماہ لقا آپ نے شہر چھوڑ دیا
یہ تو فرمایئے شب کا بھی سفر چھوڑ دیا
پھینک دی تیغ مہ نو نے ترے ابرو سے
ڈر کے خورشید قیامت نے سپر چھوڑ دیا
کیا برا اپکا ہے اس کو میں کروں کیا یا رب
بس ادھر کا ہی ہوا دل کو جدھر چھوڑ دیا
اے پری قیس کے ہمراہ در جنگل میں ہے
تیرے دیوانے نے مدت ہوئی گھر چھوڑ دیا
ان کی محفل میں مرا دل نہ ہوا جل کے کباب
سب کو دی ساقی نے مے مجھ کو مگر چھوڑ دیا
دشت غربت میں بھی کیا ہوں میں غبار خاطر
کارواں نے جو مجھے خاک بسر چھوڑ دیا
وہ دم صبح مرے گھر سے گئے کشتی میں
سہل کب ان کو مرا دیدۂ تر چھوڑ دیا
سنگ پر بھی نہیں کیوں آتش گل تک پہنچیں
مرے صیاد نے سب نوچ کے پر چھوڑ دیا
آنکھ پونچھی کہ جگر میں مرے چٹکی نے لی

صبح ہونے جو لگی وصل میں گھبرا کے نسیم
چلتے دم یار نے سمجھے لے سے مکر چھوڑ دیا

فرد

روزہ خیال رُخ ہے سحر بوسۂ جبیں　　چوما لب پری کو تو افطار ہو گیا
اک بُت لندن کی دھن میں عشق میں انگریز کے
عقل دیوانی بنی ایمان ڈسمس ہو گیا

تضمین غزل امانت

ثابت نہیں وہ اپنے مقر سے نکل گیا　　منزل نہ آئی راس سفر سے نکل گیا
اچھے مرے ستارے ہیں ڈر سے نکل گیا　　لڑ کر رقیب یار کے گھر سے نکل گیا
مریخ آج برج قمر سے نکل گیا
کس منہ سے آسماں کو بھلا ہو برابری　　تشبیہ زلف کالی گھٹا سے نہیں کھری
خورشید ہے قمر ہے کہ زہرہ و مشتری　　شعلہ ہے یا قمر ہے چھلاوا ہے یا پری
بجلی چمک گئی وہ جدھر سے نکل گیا
سونا ہے موتیا میں یہ پھولی ہوئی مگر　　الماس میں ہے آتش یاقوت کا شرر
ذرہ مرا بن آیا وہ بگڑا جو بوسے پر　　دندان صاف سے وہ زباں آگئی نظر
اپنی نگہ کا تار نظر سے نکل گیا
ذرہ ہے خاکسار سمجھتے ہیں آفتاب　　مثل حباب کیوں نہ ہوئے آب آب
کہتے ہیں اے نسیم اسی کو ہے آب و تاب　　کیا مرتبہ ہوا ہے امانت کو دستیاب
سو انگلیاں اٹھیں وہ جدھر سے نکل گیا

ردیف با

کیا خواب تھا خیال نہیں ماجرائے شب کہتا اٹھا سحر کو مگر ہائے ہائے شب

اس بت کی یاد زلف میں کچھ مانگ لیجئے مقبول بارگاہِ خدا ہے دعائے شب

مدحیہ

قیصر ہند آفتاب
ان کے وزیر ماہتاب
ظلّ خدا فلک جناب
جن کی ہلال ہے رکاب

تارے ہیں سارے بادشہ
رانی ہیں رشک مہر و مہ
کونسل ان کی اک نگہ
رحم و کرم کے ہیں سحاب

گل کی روش ہیں راجگاں
لالہ ہے اک اک ارغواں
عنبر و سوسن زباں
ان میں وزیر ہیں گلاب

محفل ماہ راجہ ہے
یار کا خریب خواجہ ہے
شہر میں ناچ باجہ ہے
خوش ہیں تمام شیخ و شاب

گل کو چمن میں ہے شباب
خوش ہے نسیم اے جناب
پہلو میں یار اور کتاب
پیتا ہے جام بے حساب

ردیف باء فارسی

کیوں خفا مجھ سے ہو ارشک قمر آپ سے آپ کوئی بدلا ہے کہ بدلی ہے نظر آپ سے آپ

تم نے انگڑائی جو لی ہم نے بھی مطلب سمجھا دل سے دل کو بھی ہوتی ہے خبر آپ سے آپ

آگ دہکی ہے مرے سینے میں کیسی یارب سانس کے ساتھ نکلتے ہیں شرر آپ سے آپ

شاید اس یار کے سینے سے ہے گھڑیال لگی   لحظے لحظے میں تڑپتا ہے جگر آپ سے آپ
کربلا جاؤں گا تو حیدری ہو اس ماہ کی میں   وہ مرا چاند جو آئے مرے گھر آپ سے آپ
کشش عشق سے دل قبلہ نما کے مانند   پھر گھڑا ہوتا ہے دلبر ہے جدھر آپ سے آپ
دیکھتے ہی مجھے وہ گل کہا خنداں خنداں
باغ باغ آئے نسیم آج کدھر آپ سے آپ

ردیف تا

مہرباں مجھ پہ ہوا ہے رشک قمر آج کی رات
آ مرے چاند کے ٹکڑے مرے گھر آج کی رات
راہ بھول آیا ہے اک چاند ادھر آج کی رات
کیسی گھر بیٹھی ہے دولت مرے گھر آج کی رات
یار آیا نہیں کیوں کر ہو بسر آج کی رات
تا قیامت نہیں ہونے کی سحر آج کی رات
آپ سے آپ وہ آئے مرے گھر آج کی رات
دین و دنیا کی نہیں مجھ کو خبر آج کی رات
کیوں خفا مجھ سے ہے وہ رشکِ قمر آج کی رات
بدلی بدلی نظر آتی ہے نظر آج کی رات
اے صنم بہر خدا آپ ہی لائیں تشریف
پتلیوں کا ہے تماشا مرے گھر آج کی رات
سادگی ہے تری پریوں کی بناوٹ سے سوا
صبح ہو جائے گی اتنا نہ نکھر آج کی رات

زلف سلجھاتے ہوئے پیار سے وہ دیکھتے ہیں
کیا میں ہو جاؤں گا منظور نظر آج کی رات

میری گستاخی نہ یاد آئے الٰہی ہرگز
ان کو بیکل نہ کرے فکر کمر آج کی رات

مانگ موتی سے بھری ہے نہ چڑھو کوٹھے پر
تم کو لگ جائے گی تاروں کی نظر آج کی رات

لیلۃ القدر ہے یہ یا شبِ معراج ہے یہ
یار کے زانو پہ اپنا جو ہے سر آج کی رات

وصل اک پردہ نشیں سے ہے نہ ہو غیر کا دخل
شمع تک آئے نہ پروانہ کا پر آج کی رات

میہماں آپ بس اتنا ہی رہیں میرے گھر
کل کا روز آج کا دن چار پہر آج کی رات

کل نہ دوں گا تجھے تکلیف کچھ ایسی واللہ
کھول دے بندِ قبا شرم نہ کر آج کی رات

جلوہ کیا خوب ہے مہتابی کا مہتابی پر
لطف دے نو شی ہے اے رشکِ قمر آج کی رات

باغ دے چاندنی اور وصل پری ہے مجھ کو
پیتے ہیں میرے عدو خونِ جگر آج کی رات

گلبدن پہنے ہیں وہ محرم کمخواب نہیں
نیند آیا نے کا مرے دل میں ہے ڈر آج کی رات

کیا زباں سے ہو بیاں آؤ گلے لگ جاؤ
دل سے دل ہی سنے کچھ دردِ جگر آج کی رات

بختِ بیدار سے وہ چاند مرے ہاتھ آیا
آسماں تنگ ہیں مرے دست نگر آج کی رات

ہاتھ سے زلف وہ سلجھائیں تو ہو جاؤں نہال
دیکھ لوں نخل تمنّا کے ثمر آج کی رات

عاشقِ ابرو کو کیا قتل کروگے ناداں!
ننھی تلوار جو ہے زیب کمر آج کی رات

یار کی زلفِ زرافشاں مجھے یاد آتی ہے
کیا ہی سینے سے نکلتے ہیں شرر آج کی رات

بشکن وبشکن مینا کی صدا کو سن کر
آنے پائے نہ کہیں میم بسر آج کی رات

گورے گالوں سے نہ سرکاؤ سیہ زلفوں کو
خوف ہے مجھ کو نہ ہو جائے سحر آج کی رات

عاشقِ زلف کو دو بوسۂ خط و ابرو
مصحفِ رُخ پہ لکھوں زیر و زبر آج کی رات

رقص اس زہرہ جبیں کا ہے عدو کے گھر میں
مہ میزاں میں ہے عقرب میں قمر آج کی رات

ہاتھ وہ جوڑتے ہیں سر ہے مرا قدموں پر
ہو نہ سمجھانے منانے میں سحر آج کی رات

خفتہ بختی سے الٰہی یہ کہیں سو جائیں
تو بچی زاہد و مرغانِ سحر آج کی رات

گلِ شبو ہے لجالو گل سودی ہے گلاب
شرم و غصہ ہے عرق میں وہ ہیں تر آج کی رات

آسماں پر ہے دماغ اب نہیں ملنے کے نسیم
مہر بلب ان پہ ہے اک رشکِ قمر آج کی رات

ردیف ثا

فرد

شگفتہ گل ہیں نسیم بہار کے باعث
چمن کی بڑھ گئی رونق ہزار کے باعث

ردیف دال

المدد محبوبِ سبحاں المدد
المدد معشوقِ یزداں المدد
المدد مقبولِ رحماں المدد
المدد یا شاہِ جیلاں المدد
دستگیری کیجئے اے دستگیر
دستگیری کیجئے پیران پیر
دستگیری کیجئے روشن ضمیر
المدد یا شاہِ شاہاں المدد
آپ کے در کے سوا جاؤں کہاں
دشمن جانی ہوا ہے اِک جہاں
بے کس و بے یار ہوں اور ناتواں
بادشاہِ جن و انساں المدد
غوثِ اعظم غوث اعظم دستگیر
اے حبیبِ ربِّ اکرم دستگیر
شاہِ من سلطانِ عالم دستگیر
المدد یا قطبِ دوراں المدد
ہے پریشاں حالِ دِل افکار سے
ناک میں دم آگیا آزار سے
سر کو ٹکرانے نہ دو کہسار سے
اے کلیمِ طورِ ایماں المدد
آسماں نورِ وحدت الغیاث
کوکبِ برجِ رسالت الغیاث
آفتابِ صبحِ عظمت الغیاث
غیرتِ خورشیدِ کنعاں المدد

ہے سمومِ فکر سے بریاں نسیم ۔ مثلِ بلبل غم سے ہے نالاں نسیم
رنگِ گل ہوتا نہیں خنداں نسیم
اے نسیم باغ رضواں المدد

ہو جا تو شتر سوار قاصد ۔ دے ہاتھ مرے مہار قاصد
کب سے ہوں امیدوار قاصد ۔ کیا تو بھی ہے شہر یار قاصد
چوموں ترے ہاتھ یا قدم کو ۔ کتنا آتا ہے پیار قاصد
جو کچھ ہم نے کہا وہ کہنا ۔ کیا لایا جواب یار قاصد
روتے چلاتے آہ کرتے ۔ کہنا مرا حالِ زار قاصد
موزے مری آنکھ کے بنا دوں ۔ گر تجھ کو ہے خوف خار قاصد
آگے کہنے کے جان لے گا ۔ دانا بینا ہے یار قاصد
ہے زلفِ رسا کا خط میں مضموں ۔ آڑے آئیں گے مار قاصد
رہنے دے اِدھر اُدھر کی باتیں ۔ کب ہوگا وصال یار قاصد
انگیا میں اگر وہ خط کو رکھ لیں ۔ بھیجیں گے مجھے انار قاصد
دم بھر ہو جو دیر تجھ کو آنے ۔ دیکھے گا مرا مزار قاصد
عکسی تصویر اٹھا لے پہلے ۔ خط پڑھنے لگے جو یار قاصد
چیتے کے پہناؤں سر پہ ٹوپی ۔ دیکھے نہ میانِ یار قاصد
آجائیں جو وہ کسی بہانے ۔ گھر میں میرے اتار قاصد
خلعتِ جاگیر تجھ کو دوں گا ۔ ہونے تو دے وصل یار قاصد
بھیجوں گا نسیم کو تو رہ جا
نازک ہے خیال یار قاصد

اس پری کا ہے سلیماں قاصد — میرا کعبہ میرا ایماں قاصد
ہے صحیفہ خطِ جاناں قاصد — کیا مجھے دیتا ہے قرآں قاصد
نامۂ شوق لکھے جاتا ہوں — مدتوں رہتا ہے مہماں قاصد
نامۂ یار دیا عید کے روز — تیرے صدقہ تیرے قرباں قاصد
میرا محبوب اگر خط لکھے
شوق سے ہو مہ کنعاں قاصد

تضمین غزل فارسی نسیمؔ

اے مرے جانِ جہاں اے مرے پیارے خورشید — اے مرے سرو رواں اے مرے نخل امید
کیسی ہٹ دھرمی ہے اور کیسا ہے یہ ظلم شدید — سالہا گشت بما از تو سلامے نرسید
قاصدے نامہ برے پیکے پیامے نرسید

ہم نے لٹوائے خزانے دل و جاں سے بے حد — جوہری مول لئے جلتے ہیں اب تک لد لد
حاتم طائی کو بھی ہونے لگا رشک و حسد — چہ قدر گوہر اشکم بہ نثارت آمد
بر لبِ لعل تو از مہر کلامے نرسید

ہو گیا رستم و سہراب کا دم ناک میں بند — کیا حساب اور کسی کا جو چلیں گا دے چند
وائے قسمت نہ ہوئے ہم تری خدمت کے پسند — قیس و فرہاد دریں راہ زپا افتادند
بمقامے کہ شدم ہیچ کدامے نرسید

بخت بیدار ہے اک شب جو ترا وصل ہوا — گنج قارون ملا تخت سلیمان ملا
خواب میں بھی نظر آتا نہیں مجھکو وہ مزا — گشت در ہجر اے صد بار قیامت برپا
روز ہجرانِ تو چوں باز بشامے نرسید

کوئی خادم کوئی کشتہ کوئی شیدا ہے قدیم — در پہ بیٹھا ہے کوئی ہے کوئی کوچے میں مقیم
کیا نصیبہ ترا کیا ہے تری طبع سلیم — نیست مخمور دریں مے کدہ مثل تو نسیم

ردیف را

گندھے گی چوٹی کیوڑے میں جب آئیں گے وہ جوبن پر
ڈسے گی اڑ کے عالم کو نکالے گی یہ ناگن پر
نگاہِ گرم کی جب وصل میں اس نے مرے تن پر
گری کیا یاس کی بجلی تمنّاؤں کے خرمن پر
بناؤ کرتے کرتے جب نظر پڑتی ہے جوبن پر
یہ تنتے ہیں وہ خوبانِ جہاں مرجائیں سب تن پر
کوئی جیتا بھی ہے اک ماہِ کامل یاد ابرو میں
مہ نو نے ہلالی تیغ رکھ دی میری گردن پر
غضب تھی وصل کی شب میں لڑائی مجھ سے ہر دو کی
سلایا میں نے اول جان و دل کو ان کے دامن پر
سہارا آہ کو ہے تارِ دم کا سخت جانی سے
رواں ہے رات دن گاڑی دھوئیں کی سیخ آہن پر
تغافل نے یہ مجھ کو بے اجل ہی مار ڈالا ہے
حسینوں کا لگا میلا ہے کیوں اب میرے مدفن پر
ہوا ہے جسم چھلنی سا خدنگِ تیر سے جس کے
مری تصویر کھنچوائی ہے اس نے اپنی چلمن پر
لے آیا خنجر جو بی ہمارے قتل کو اس نے
کوئی کیوں کر نہ مرجائے گا اس قاتل کے جوبن پر
ہمارے ہاتھ مستی میں بھی کچھ لے جا نہیں پڑتے
کبھی ساقی کے سینے پر ہیں گہ کنٹر کی گردن پر
بدولت خوش نوائی کے یہ دولت میں نے پائی ہے

نظر پڑنے لگی صیاد کی میرے نشیمن پر
تمنا ہند سے لنڈن کو اڑ جانے کی رکھتے ہیں
مگر ہم نا کبوتر سے نکالیں گے برہمن پر
ہمارے دل سے پوچھو تیر مژگان نے کیا کیا کیا
تڑپ کر جان دینے جب لگے ہم اُن کے جوبن پر
کلیجہ دیکھو دل دیکھو دماغ و حوصلہ دیکھو
ہزاروں خون لیتی ہے بطِ مے اپنی گردن پر
نسیم اس قول کو میرے سخن داں ہی سمجھتے ہیں
کسی فن کو نہیں ترجیح بے شک شعر کے فن پر

گال سے ہلتی نہیں زلف چلیپا چھوڑ کر
جائے گی ناگن کہاں ایسا کنہیا چھوڑ کر
اِک نہ مانی اس نے میں بھی عمر بھر کہتا رہا
اے صنم جانا نہیں مجھ کو خدارا چھوڑ کر
بھیج دے پھر خدایا رب جناب خضر کو
قافلہ جاتا رہا جنگل میں تنہا چھوڑ کر
فصلِ گل آئی تو ہم دم بھر جدا ہوتے نہیں
باغ و محبوب و شراب و جام و شیشا چھوڑ کر
وصل کی شب صبح ہوتے ہی وہ گھبرا کر نسیم
شال میری لے گئے اپنا دوشالا چھوڑ کر

بہاریہ

سبزۂ خط ہے پیمبر رُخ ہے قرآن بہار تو ہے قبلہ تو ہے کعبہ تو ہے ایمان بہار
میرے رونے سے ہوی فصل گلستانِ بہار ہو گیا میزاب دیدۂ میر سامانِ بہار
سرو کو جوگی سمجھ کر فال کھلوانے لگی کیا خزاں میں ہنستے ہیں بلبل کو ارمان بہار
شاخِ گل جنبش کہاں کرتے ہیں متوالوں کی طرح بلبلوں کے بوسے لے لیتے ہیں مستانِ بہار
ہجر بے امیدِ وصلت میں کوئی جینا بھی ہے بلبلوں کے ہوتے ہیں کچھ عہد و پیمانِ بہار
سرو کے مصرع کے معنے بلبلوں سے پوچھ لو عندلیبوں سے سنو شرحِ گلستانِ بہار
زلف گل رو کے گلے مل کر جو آئیگی نسیم
ہو گی سنبل افعی گنج شہیدانِ بہار

خون ناحق ہے ہزاروں کا تری شمشیر پر
سینکڑوں ہیں سینگ تیروں سے ہر اک خنجر پہ پر
تیغ کا دم دم بخود ہے تیری کج تقریر پر
بے زبانی کا ہے فقرہ ہر زبانِ تیر پہ پر
ہے گماں پیرِ فغاں کا مجھ کو چرخِ پیر پر
دورِ ساغر کا ہے دھوکا گردشِ تقدیر پر
مرتے ہیں ابرو پہ یا ان کی نگہ کے تیر پر
سونپ لے دستِ قضا ہم کو ذرا تقدیر پر
شکل اچھی زیست کی تم نے نکالی فال سے
لپٹے لپٹے خال سے ہو جائیں کے تصویر پر
اے کمالِ ابرو ہے کس کو شک مرے معراج میں
دل مرا جاتا ہے وہ دیکھو تو نوکِ تیر پر

قتل مجھ کو کرتے ہی کٹنے لگے پیر و جواں
رشک سے مر مر گئے وحشی ترے نخچیر پر

زلف کے سودائی پر تم رحم اتنا کیجیو
اژدہوں کا بھی ہے تھانہ خانۂ زنجیر پر

یہ لبِ دنداں سے زائد شیفتہ ابرو کے ہیں
سب جواہر ہیں تصدق جوہرِ شمشیر پر

خاک ہوتے ہیں ہوس وصل و عقد ذہن میں
یار کے کشتے نہیں کرتے ہیں تف اکسیر پر

جذبۂ شوقِ شکارِ یار دیکھا چاہیئے
ہے رکابوں کا تصور دیدۂ نخچیر پر

قتل کرتے آتے ہیں یا اڑ چلیں گے کوہ قاف
ہے ہمیں شہپر کا دھوکا اے پری شمشیر پر

ذکر پیری سے ہے میرے شاد مرگی رقیب
جانِ فرہاد حزیں نکلی تھی جوئے شیر پر

چاند کی صورت تو ہے پر یہ کہاں اور وہ کہاں
میں نے کیا دھبا لگایا یار کی تصویر پر

ہیں وہ دیوانے گل رخسارۂ رنگیں کے ہم
بیضۂ بلبل کا شک ہے دانۂ زنجیر پر

دل میں ہے گر شکل جاناں صاف سینہ کیجیے
پھر نظر کیجئے آئینہ ہر تصویر پر

عاشق ابرو یہ ہوں کٹ کٹ کے مرتا ہوں نسیم
چلتے پھرتے ہیں جو بازی گر دم شمشیر پر

لے گیا دل مرا وہ بت لوٹ کر   گر پڑا پتھر پہ شیشہ ٹوٹ کر
کیا کیا بند قبا نے ٹوٹ کر   مر گئے ہم اپنی چھاتی کوٹ کر
آج کیا اندر سبھا ہے لال باغ   تخت پریوں کے گرے ہیں ٹوٹ کر
نقد ایماں کے لیے روتی ہے خلق   لے گیا دزد حنا سب لوٹ کر
خوب ہیں ہاتھ اُن کے سینے پر پڑا   کیا ہیں دستنبو کو رویا پھوٹ کر
ان کی آنکھوں سے ہرن حیران ہیں   شوخیاں بھر دیں یہ کس نے کوٹ کر
ہمرہوں کے دل میں ہے شاید غبار   نقش پا ہوں کارواں سے چھوٹ کر
مانگتا ہوں ان سے جب رو کر اگال   کہتے ہیں تیرا جگر کھا کوٹ کر
دل کے ٹکڑے کر کے وہ فرماتے ہیں   بن گیا ساغر یہ شیشہ ٹوٹ کر
برق کیوں ہنسنے لگی ان کی روش   ابر کیوں روتا ہے مجھ سا پھوٹ کر
بوتلوں پر کی نگہ اس شوخ نے   گر پڑی پریوں پہ بجلی ٹوٹ کر
منتظر ہم کو نہ رکھ پیر مغاں   شیشے پر شیشہ گرے گا ٹوٹ کر
وہ پری ہرجائی ہے پروا نہیں   اڑ کہاں جائے گا ہم سے چھوٹ کر

خوں بہایا اس نے میرا اے نسیم
پاؤں سے مہندی گری جب چھوٹ کر

نہ کر ملاقات ترک مجھ سے میں جی سے بیٹھا ہوں تنگ ہو کر
جلوں گا واللہ وصل کی شب میں شمع رخ پر پتنگ ہو کر
رکھوں کدھر میں مکاں کہاں ہے بچے گا کیوں کر چھپاؤں کس جا
الٰہی بینلئے دل یہ میرے یہ بت جو گرتے ہیں سنگ ہو کر
وبال جان بری ہیں تمہارے زلفوں کے پیچ پیارے
دلوں میں آئینہ رویوں کے ہے یہ خط عارض بھی زنگ ہو کر

زمانہ گذرا نہ پوچھا اب تک ہے کون تیغ نگہ کا بسمل
غضب تو یہ ہے نہیں کچھ انصاف آپ شوخ فرنگ ہو کر
نسیمؔ ہوں گرچہ کہنے کو میں الٰہی قدرت کے تیری قربان
نہ کیسے جل جل مریں گے بلبل گلوں میں رہتا ہوں رنگ ہو کر

فرد

ہے شکل بہار اس بت کشمیر کی تصویر
کشمیر کا کشمیر ہے تصویر کی تصویر

مرثیہ

سلامی پڑھو درود اس شہید اکبر پر
جھکی ہے پیاس سے کانٹا زبان خنجر پر
لگے جو تیر و سناں بولے شہ بنالہ و آہ
کہ روؤں نعش پہ اکبر کی یا میں اصغر پر
شہید ہو گئے بابا کہا یہ صغرا نے
لہو میں تر جو دکھانے لگے کبوتر پر
گلے پہ شمر کے پھر جاؤں حکم دو شاہا
یہ خوں چکاں تھی حکایت زبان خنجر پر
شہ علم پہ پرے تیروں کے آتے تھے
ہزاروں قمری ہیں گویا سر صنوبر پر
کھڑے تھے صف میں بہتر ادھر ادھر لاکھوں
نظر جو شاہ نے کی مردمان لشکر پر
سپر اپنا غرق تھے آہنی میں جوشنوں سے عدو
سنان و تیر کے تھے زخم صدمہ سر و بر پر
ستم گروں سے کہا شہ نے مرتبہ سمجھو
کھڑا جو عرش پہ بیٹھا ہوں اس کے ہیں سر پر
گھر آیا حور کی آہوں سے خلد میں بادل
ہوئی جو تیروں کی برسات جان اصغر پر
جب آ گئی رن میں سواری جناب اکبر کی
قضا درود پڑھی صورت پیمبر پر
کہا قضا نے جو شہ پیاس سے ہوئے غش میں
علی کھڑے ہیں لئے جام حوض کوثر پر

تبسم وا نہ پیدا ہوا تو اں روز دوں   نثار ہوتا بصد دل شہ دلاور پر

تضمین غزل ناسخ

ناسور دل سے رخنہ دیوار آتا ہے نظر
اب تک مرے سینے کے در ہر بار آتا ہے نظر
داغ جنوں مجھ کو گل بے خار آتا ہے نظر
زنداں میں بھی کوچہ ترا اے یار آتا ہے نظر
بلبل قفس میں ہے مگر گل زار آتا ہے نظر

حلقے نمط اے مہرباں ہو تو تھری جس میں عیاں
تا تیر قد مثل کماں تنکے پڑے یا نوجواں
یا چرخ میں جو آسماں بار زنگ تیغ ہو کلچھواں
پہلے ہی عاشق کا گماں ہوتا ہے مجھ کو جان جاں
ازبس جو کوئی ناتواں اور زار آتا ہے نظر

ہے ہجر سے ہونٹوں پہ دم ہمدم بنے ہیں درد و غم
گردن پہ ہے تیغ ستم محفل نہیں جنگل سے کم
کب تک سہیں رنج و الم للہ دکھا دیجے قدم
جب سے جدا ہیں تم سے ہم ہے صحبت انساں سے رم
غم خوار ہر اک اے صنم خوں خوار آتا ہے نظر

سودائے زلف یار میں رسوا ہوا بازار میں
بستا ہے دل زنار میں ہوں لوٹتا کہسار میں
بس ضعف ہے گفتار میں مرتا ہوں اس آزار میں
تھا دم جو جسم زار میں ہے دیدۂ خونبار میں

جینا فراق یار میں دشوار آتا ہے نظر

خوش ہے نسیم نوحہ گر دل میں نہیں غم کا گزر
ممنون حق ہے زیست بھر اب اس کا ہے آنکھوں میں گھر
مانع نہیں دیوار و در ایسا ہوا ہے بے خبر
ناسخ ہے اب آنکھوں پر مشق تصور اس قدر
جس سمت کرتا ہوں نظر دلدار آتا ہے نظر

چھپایا اس نے منہ ابرو چڑھا کر — گیا ظالم گلے خنجر لگا کر
کبھی جاتا ہے وہ صورت چھپا کر — کبھی جلوہ دکھا دیتا ہے آ کر
چلا چل میں ہے دم یاں لب پہ آ کر — حیا کہتی ہے واں عذر حنا کر
جو بے دم ہو گیا بے دم ہوئی تیغ — جلا دی اس نے پھر مجھ کو جلا کر
کہاں تک سینہ زوری مجھ پہ او بت — خدا سے ڈر ذرا کچھ تو حیا کر
ہے لطف دوستی غیروں سے پھر بعد — تو اول دل کو اپنے آشنا کر
مسی مل کر بدخشاں کو کیا شام — جلایا طور کو کاجل جلا کر
نہیں شک مجھ کو اڑ جانے میں کچھ بھی — چلے جب وہ پری دامن اٹھا کر
ابھی مر مر کے چوما ہوں لب اے یار — نہ کر قتل اور تو ابرو چڑھا کر
نہ اٹھا حشر تک اے ساقی مرگ — کیا کیا مست اچھی مے پلا کر
ہے بالاپن بھی اس کا اک قیامت — تہ و بالا کیا بالا دکھا کر
بگھارا جو نخلا جب بلبلوں نے — ہنسیں کلیاں چمن میں کھل کھلا کر
کلیجہ دیکھ لیگا غیر ہے پاس — نہ کوسیں آپ مجھ کو ہاتھ اٹھا کر
کہاں تک ہے جفا اس جنگجو میں — کیا بھی صلح تو آنکھیں لڑا کر
ہوی اس فصل گل میں اور وحشت — پھنسے ہم باغباں کے گھر کو جا کر
کلیجے کے ہے اندر پھانس کی طرح — مے مو مو سے مژہ سے دل لگا کر

جناب عشق سے ہے یہ نصیحت
لیا گر بوسہ نقد جاں دیا کر

نہ کیجے شور بوسے سے شکر لب
نمک پروردۂ عالی ہے جا کر

ہے مجھ کو اشتباہ ابرو خورشید
دکھا دو منہ ذرا چلمن اٹھا کر

بلک ہے شب پر خواب اڑ گئی نیند
جگایا جب سے تم نے گدگدا کر

کہا گلشن میں ساقی کو جو سے لا
اٹھایا پھول کا شیشہ نہا کر

مرا مذہب فقط ہے عشق یا شیخ
ترا دیں ہے وہی کہہ رکھدے جا کر

کہا میں نقد دل کیوں ہاتھ آیا
کہے دزد حنا لایا چرا کر

چھپا ہے حلقۂ زلف شہ حسن
سزا پھانسی کی دو نوبت بجا کر

سنا نالہ نہ دکھلا حال بلبل
ہے نرگس کور اور گل ہو گیا کر

وہ کہتے ہیں ترے دیدے بٹم ہوں
اگر دیکھے ہمیں پھر آنکھ اٹھا کر

مری الفت نے کیا چھینٹا دیا ہے
پوتر ہو صنم گنگا نہا کر

پھپھولے پھوڑنے دو دل کے اے جاں
برہمن ہوں جو پوجوں بت بنا کر

برہمن کہتے ہیں وہ بت جو ہے رام
مسلماں کر لیا کلمہ پڑھا کر

بہار گل ہے اور وصل صنم ہے
نسیم اب فرض ہے شکر خدا ہے

ردیف شین

شاعروں کو ہے شعر تر کی تلاش
بادشاہوں کو ہے پسر کی تلاش

داغ دل کو ہے چشم تر کی تلاش
مہر سوزاں کو ہے مطر کی تلاش

آتش گل کو آشیاں کی تلاش
بلبل زار سیخ پر کی تلاش

راہ بھولے تو آ گیا قاصد
ہے انھیں اب کہاں ادھر کی تلاش

قبر تک تا کمر کھدی دیکھو
میں نے مر مر کے گھر کی تلاش

کون پڑھتا ہے مصحفِ عارض   ہے جہاں کو تری کمر کی تلاش
میرے سر کو ہے جیسے زانو کی   ان کے زانو کو بھی ہے سر کی تلاش
جائے اصلی کی دھن جلاتی ہے   دیکھتا ہوں جو ہیں شرر کی تلاش
سچ بتا قاصدا خدا کے لئے   کیا انھیں بھی ہے کچھ ادھر کی تلاش
فتح غیبی سے ہیں نہال ہوا   کھول ڈالی کمر کمر کی تلاش
لکھتے ہیں کیا نسیم کا دیواں
ہے گلوں کو جو آبِ زر کی تلاش

ان کے کاکل ہیں مشک ناب فروش   نرگس مست ہیں شراب فروش
ان کی آنکھیں ہیں جو شراب فروش   یہ بھی ہے دل جلا کباب فروش
تاکتے ہیں مجھے شراب فروش   تارے گنتے ہیں آفتاب فروش
دھوئے دریا میں منہ جو وہ گل رو   شیشے بھر لیتے ہیں گلاب فروش
شب وہ گزرے اسی محلے سے   جل گئے سارے ماہتاب فروش
مغ بچے میکدے میں آتے ہی   دل جلے ہو گئے کباب فروش
آئے اس بت کو مے کشی کی جو لہر   گبر بن جائیں آفتاب فروش
یہ جوانی پہ پیر مرتے ہیں   ہیں غنی آج کل خضاب فروش
اس مسیحا کی میزبانی ہے   چاند سورج بنے ہیں قاب فروش
وہ شب تار میں جو چھپ کے چلے   جل گئے سارے ماہتاب فروش
وہ نہیں رہتے بے حجاب کہیں   کہیں چھپ جائیں یہ نقاب فروش
نقد ایماں بھی لے نہ جا کافر   سمجھیں پاپڑ نہ آفتاب فروش
مول لیں گے پری مرا دیواں   اڑنے لگ جائیں گے کتاب فروش
مے کشی جب نسیم چھوڑیں گے
بھیک مانگیں گے سب شراب فروش

ردیف صاد

دیکھتا ہے کس لئے مرغِ دلِ ناکام رقص
پیچ سے موئے کمر کے پھینکتا ہے دام رقص

دل نہ کیوں تڑپے جو دیکھے عاشقِ ناکام رقص
اے پری پہنچا رہا ہے عشق کا پیغام رقص

راگ کیا لاتے ہو جانی ٹھاٹ سے گت باندھ لو
کام کرتا ہے ہمارا اور تمہارا نام رقص

گال پر زلفوں کو کروٹ میں الجھنے کو نہ دو
روز روشن کو بنا دیتا ہے ماہِ شام رقص

تیری ٹھوکر سے تڑپ خلوت سرائیں گر پڑا
دیجئے تسکینِ دلِ عاشق کو دم بھر تھام رقص

اس پری کی آمد آمد سے مگر یہ جوش ہے
ساتھ مے کے کر رہا ہے ساقیا جو جام رقص

دل مرا تڑپا ہو گردش سے نشیلی چشم کی
لطف دیتا ہے پری رو بعد دورِ جام رقص

دل حسد سے خام طبعوں کے اچھل جاتے نہیں
آگ پر کرتے ہیں گر کر دانہ ہائے خام رقص

ہے صدا گھنگرو کی یا کلیاں چٹکتی ہیں کہیں
شاخِ گل کرتی ہے یا ہے اے بتِ گلفام رقص

محفلِ عشرت سوا آمد طوائف کی نہیں
ہے مبارک دوستو فرخندہ فرجام رقص

پھر وہ مطلب سے الگ ہو ہو کے کہتے ہیں نسیم
دیجئے غزلیں تمہاری لیجئے انعام رقص

ردیف لام

فصلِ گل آئی کہ آئی ہے بہارِ بلبل
کیجے صیّاد نذرِ گل کو نثارِ بلبل
غور کی جا ہے کہ گلچیں نے جو کلیاں بینی
ہائے کیا بولتا ہوگا دلِ زارِ بلبل
عاشقوں سے انہیں نفرت ہے کہاں تک یارب
سیرِ گلشن میں بھی کرتے ہیں شکارِ بلبل
ناتواں حسرت و ارمان سے پھندے میں پھنسی
چشمِ صیّاد میں یارب ہو قرارِ بلبل
اب کے گلشن میں نسیم آئی بہار بے حد
نہ حسابِ گلِ تازہ نہ شمارِ بلبل

ہے مدح ابروِ جاناں میں وا دہانِ ہلال
ہے لال وصفِ لبِ لعل میں زبانِ ہلال
نیام تیغ سے ان کے نہیں ہے شانِ ہلال
تو رکھ دے طاق پہ ترک۔ فلک نشانِ ہلال
نشاں ہے لعل کی میخوں کا کہکشاں کی سڑک
ہے نقشِ سم ترے گھوڑوں کا ہم عنانِ ہلال
جو مے کشی ہے ہو اس مہ کو پیرِ وصل کی فکر
لگاؤں کشتیٔ صہبا میں بادبانِ ہلال
اٹھانے لگتے ہیں سب انگلیاں طرف ان کی
خمیدہ بھر تواضع جو ہوں بسانِ ہلال

ہے کون مائدۂ وصلِ ماہ وش سے سیر
کہ خوانِ چرخ میں ہے ایک نیم نانِ ہلال
سپر کا عکس ہے اے مہ نہیں سپہر بریں
نیام تیغ کا پرتو ہے یہ میانِ ہلال
بڑھاتے جاتے ہیں کب آپ طوق منّت کے
گھٹایا چاہتے ہیں شوکت اور شانِ ہلال
نہ ذکر عید ہو اس کج کلہ کی فرقت میں
کرے گی قتل مجھے تیغ اصفہانِ ہلال
ہے صاف عکس کسی موکمر کے ناخن کا
ہلال اور نظر آتے ہیں درمیانِ ہلال
کہاں ہلالِ محرم شفق میں ہے طالع
ہیں غرق خونِ شہیداں میں یہ نشانِ ہلال
جلوس کامل و ناقص ہے ایک جا دشوار
کہ چرخ مہر سے ہے دور آسمانِ ہلال
تو عیدِ وصل سے عاشق کو سرخرو کردے
نشانِ ہتھیلی کا مہندی میں ہے بسانِ ہلال
شراب لعل سے کشتی مے ہوئی لبریز
کہ آفتاب کا چشمہ ہے مہربانِ ہلال
چڑھائیں اس نے بھنویں ماہِ نو کو دیکھتے ہی
چڑھے گی پھر نہ کبھی اے فلک کمانِ ہلال
ہلال ہیرے کی اس مہ جبیں نے پہنی ہے
الٰہی ناک میں کیوں آ گئی ہے جانِ ہلال

یہ کس کی ابرو و مژگان نے تفرقہ ڈالا
کہیں ہے تیر عطارد کہیں کمانِ ہلال

میں جانتا ہوں گریبانِ یار کا رتبہ
کہ جیسے صائم رمضان ہے قدر دانِ ہلال

نہ کیسے نعل در آتش ہلال ابرو ہوں
کہ سوزِ دل سے ہے افسوں مرا بیانِ ہلال

ہے نجم سوختہ اپنا کہ ہے بھووں میں تل
زحل ہوا ہے کہ گردش سے پاسبانِ ہلال

ستائے تارے رگِ برق باولی کے ہیں تار
ہے نعل کفش لے خورشید ہمقرانِ ہلال

ہلال عید یہی ہے گلے ملو ہم سے
لگا ہے آپ کے تکلے میں کب نشانِ ہلال

فگار ناخنِ غم سے دل عدو ہے نسیم
ہلالی بھی نہ کیا اس طرح بیانِ ہلال

ردیف میم

کہاں ہوتے ہیں غش جب خوب صورت دیکھتے ہیں ہم
چلتی مدنظر ہے اور طبیعت دیکھتے ہیں ہم

ہر اک شب خواب میں جوان کی قامت دیکھتے ہیں ہم
نہیں معلوم کب روزِ قیامت دیکھتے ہیں ہم

پتنگے شمع پر جلتے ہیں بلبل گل پہ مرتے ہیں
تصدق ہو کے تم پر خود بدولت دیکھتے ہیں ہم

فلک ہی رشک سے دن کو بڑھا دیتا ہے فرقت میں
گھڑی پل پل میں ہر ہر دم میں ساعت دیکھتے ہیں ہم

وہ گورے گال ان کے اور وہ گیسوے دراز ان کے
گھٹا کالی ہے بجلی ہے کہ قدرت دیکھتے ہیں ہم

کیا جس نے کرم ہم پر ہیں ایسے گال صاف ان کے
کبھی شکل اپنی گاہے ان کی صورت دیکھتے ہیں ہم

نسیم رند مشرب کو ولی ہرگز نہیں کہتے
مگر اشعار میں اس کے کرامت دیکھتے ہیں ہم

تضمین غزل رند

ہر بار یہ بازار میں نکلا نہ کرو تم
نیچی کرو آنکھیں کبھی دیکھا نہ کرو تم
دم میں اجی ہر ایک کے آیا نہ کرو تم
منہ ہر کس و ناکس کو دکھایا نہ کرو تم
یہ حسن خداداد تماشا نہ کرو تم

الفت ہے یہ کچھ کھیل دری جان نہیں ہے
ہر ایک سے بن جائے یہ امکان نہیں ہے
وہ کون ہے اس غم میں جو حیران نہیں ہے
کہتے ہیں جسے عشق وہ آسان نہیں ہے
مشکل ہے بہت اس کا ارادہ نہ کرو تم

تم نے اجی کیوں چہرۂ روشن کو چھپایا
انداز تمہارا ابھی اک بات میں بگڑا
بازار میں کھینچوں گا تمہیں او بت ترسا
اچھا نہیں اچھا نہیں مانو مرا کہنا
بدنام نہ ہو تم مجھے رسوا نہ کرو تم

بیگانہ یہاں کون ہے رہتا ہوں میں حیراں
مدت ہوئی کچھ نکلا نہیں اس کا تو ارماں
اللہ کی خاطر نہ کرو مجھ کو پریشاں
منہ چاند سا ڈھانکو نہ دوپٹے میں مری جاں
سوتے ہو اگر سانہ تو پروا نہ کرو تم

مسجد کی طرف جائیو اب جوروں کو چھوڑو
للہ تم آپ شریعت کو بھی دیکھو

یہ کیسے مسلماں ہیں اس نام کو پوچھو
رند الفت بت چھوڑ دو اللہ کو مانو

کعبے کو چلو قصد کلیسا نہ کرو تم

تضمین بر غزل حضرت سیّد کمال الدّین صاحب قدس سرہ

توئی فخر آدم ہے یا غوث الاعظم
توئی تخت عالم ہے یا غوث الاعظم

تو نورِ مجسّم ہے یا غوث الاعظم
توئی قطب اعظم ہے یا غوث الاعظم

توئی غوث اکرم ہے یا غوث الاعظم

خدا کا تو پیارا شہ انس اور جاں
محمدؐ کا نور نظر تجھ سے عیاں

جگر فاطمہ کا ہے نوشاہ گیلاں
حسینؓ و حسنؓ کا تو ہم جسم و ہم جاں

علیؓ کا تو ہمدم ہے یا غوث الاعظم

پھری عقل کل لے کے ارض و سما میں
بہت خاک چھانی پتے کی ہوا میں

ملائک میں حوروں میں خلق خدا میں
ترا مثل جز انبیاء اولیاء میں

نہ در نسل آدم ہے یا غوث الاعظم

شہنشہ گدا ہیں یہ ہے تیری شوکت
نہ آدم ہے اور ملائک سے نسبت

خدا جانتا ہے جو ہے تیری قدرت
یہ عزت یہ عظمت یہ رتبت یہ رفعت

تجھے ہی مسلّم ہے یا غوث الاعظم

تری چشم مخمور سے ہے طلاطم
ہے سینہ مرا جوش میں مثل قلزم

ہے خواہش تری دید میں ہی ہوں گم
ترے عشق کی راہ سے روح کا خم

لبالب دمادم ہے یا غوث الاعظم

نہیں کچھ بھی لذت ہے جینے میں میرے — فقط زہر آتا ہے پینے میں میرے
گماں خون کا ہے پسینے میں میرے — دے تریاق وصلت کہ سینے میں میرے
ترے ہجر کا سم ہے یا غوث الاعظم

ہے دو دن ہی دنیا میں پھولوں کا جوبن — ہوئے خار کے ڈھیر کلیوں کے خرمن
سیہ رو عدو میرے ہیں مثل سوسن — ترے آب رحمت سے اس دل کا گلشن
سدا سبز و پرنم ہے یا غوث الاعظم

حسد بے سبب مجھ سے رکھتے ہیں حاسد — وہ کیوں دو جہاں میں نہ ہوں نقد کاسد
فساد ان کا لوٹ ان پہ ہو جائے فاسد — ترا لطف ہے بر لاتو میرے مقاصد
جو اس دل میں مدغم ہے یا غوث الاعظم

نسیم گنہ گار پر رحم کیجیے — گلی میں پڑا ہے ترے مثل سگ کے
کہا جب یہ اس مرشد پاک نے ہے — کمال کمینہ غلاموں میں تیرے
غلام کم از کم ہے یا غوث الاعظم

مدح

تو محبوب سبحاں ہے یا غوث الاعظم — تو مقبول رحماں ہے یا غوث الاعظم
نہیں مصحف روئے پرنور پر خط — یہ تفسیر قرآن ہے یا غوث الاعظم
بہشت بریں تیرا صحن چمن ہے — تو مولائے رضواں ہے یا غوث الاعظم
تو ہی کعبۂ قبلۂ قدسیاں ہے — تو ہی ظل سبحاں ہے یا غوث الاعظم
ترے خادموں کی صفائی دل سے — سکندر بھی حیراں ہے یا غوث الاعظم
ترا زہد و تقویٰ ہے تقویت دیں — شریعت بھی نازاں ہے یا غوث الاعظم
تو ہے موج سا بحر وحدت سے مل کے — جدائی کا طوفاں ہے یا غوث الاعظم
نگہباں ہوتا ہے اللہ اس کا — تو جس کا نگہباں ہے یا غوث الاعظم

قیامت کے دن بخشوانا کرم سے
مرا دست و داماں ہے یا غوث الاعظم
تری چشم میگوں کے دیدار کو دل
کباب آبسا بِریاں ہے یا غوث الاعظم
ترے جد سا تجھ کو بھی رؤیا میں دیکھوں
یہی دل میں ارماں ہے یا غوث الاعظم
ترے طاقِ ابرو میں سجدہ کروں گا
مرا دین و ایماں ہے یا غوث الاعظم
خدا کے لئے لعلِ جاں بخشش دِکھلا
لبوں پر مری جاں ہے یا غوث الاعظم
سروں پر قدم اولیاؤں کے رکھنا
یہ تجھ کو ہی شایاں ہے، یا غوث الاعظم
نسیم اتنے گل کھائے فرقت میں تیرے
سراپا گلستاں ہے یا غوث الاعظم

ردیف نون

وہ بے کلی نہیں دل کو وہ اضطراب نہیں
تمہارے ہجر کا اب کچھ مجھے عتاب نہیں
جلا بھنا ہوں مجھے خواہشِ کباب نہیں
پلا دے دھو کے سبو ہی اگر شراب نہیں
سُنا ہے ہم نے کہ عارض پہ ہے غبار سا کچھ
بلا سے خط کا ہمارے اگر جواب نہیں
تری خبر کے لئے دیکھتے ہیں سب اخبار
مطالعہ میں کسی کے کوئی کتاب نہیں
رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت
تمہاری زلف سے خاطر کو پیچ و تاب نہیں
پلانہ تول کے بادہ مغاں خُدا کے لئے
یہ دن شرف کے ہیں میزاں میں آفتاب نہیں

فرار کیوں نہ ہو ہر روز جاں نثار اک ایک
حضور آپ کی وہ دولت شباب نہیں
تمہارے زلف کی تصویر کیا کرے سیراب
خطا معاف ہو ہم تشنۂ سراب نہیں
نسیمؔ پی گئے اب میکدوں میں ہے کیا خاک
دوا کے واسطے لندن میں بھی شراب نہیں

آنکھوں میں بٹھالوں تجھے سینے سے لگالوں
تو جتنا ستایا ہے مجھے اتنا ستالوں
پھر شب ہو وہی پھر ہو وہی گرمیٔ صحبت
پھر وصل میں اے گل ترے دامن کی ہوا لوں
دیوار سے لگ جاؤں کہیں نقش کے مانند
ہوں گر در رقیبوں کو ترے گھر سے نکالوں
ہے گل سے زیادہ مزۂ شکر و بادام
میں بوسے لب و چشم کے گالوں سے سوالوں
بے ساختہ آئے جو نسیمؔ آج وہ کافر
قدموں پہ گروں اس کے سر اپا کے بلا لوں

بگڑی ہوی تقدیر کو کس طرح بنالوں
روٹھے ہوئے سفاک کو کیوں کر میں منالوں
بنتا نہیں اب ساتھ مرا جلد الگ ہو
اے دل تجھے کب تک مرے سینے میں سنبھالوں

ابرو کو چڑھایا نہیں تلوار ہی چمکا
ہے جی میں کسی رنگ سے سر اپنا کٹا لوں
وہ ہنسنا وہ اک ناز سے ہاتھ آنکھ پہ لانا
کس کس ترے انداز کو میں دل سے لگا لوں
کھیلیں وہ نسیم اور رہیں یوں ہجر میں تڑپوں
وہ گیند اچھالیں میں ادھر دل کو اچھالوں

کیا گنہ ان سے اگر میں نے لڑائی آنکھیں
دید کے واسطے خالق نے بنائی آنکھیں
کیسی جادو بھری اللہ نے بنائی آنکھیں
نہ جیا پھر وہ جسے تم نے بتائی آنکھیں
اک زمانہ ہوا قدموں سے مشرف ہو کر
بعد مدت کے ذرا ہم نے ملائی آنکھیں
آنکھ جھپکی کہ کھلے دفتر الفت باہم
دوستی دل سے ہوئی جب کہ لڑائی آنکھیں
مارتے ہیں مجھے اور دم میں جلا دیتے ہیں
اے صنم کرتی ہیں کیا خوب خدائی آنکھیں
روتے روتے مرے دیدے ہی یتم ہو جاتے
مل گئے خیر ہوئی تم نے بچائی آنکھیں
عشق گل رویاں سے رسوائی ہے قسمت میں نسیم
دل تڑپتا ہے اگر میں نے چڑھائی آنکھیں

کب تک بچوں میں اس سے کہاں تک چھپا کروں
پھرلے چلا وہیں مجھے اس دل کو کیا کروں

آنچل اٹھاؤ رُخِ مبارک سے او صنم
سجدہ کروں درود پڑھوں التجا کروں

رہتا ہے بند ہائے دریچہ بھی بام کا
بے دید تیرے کوچے میں کب تک پھرا کروں

تم بوسہ لعل لب کا کبھی دو گے مہرباں
یا قوتِ بارہی خونِ دل اپنا پیا کروں

یہ کیسی شوخیاں تھیں مری جون[1] تھا ہجر میں
کہتے ہیں وصل میں وہ مجھے تجھ کو کیا کروں

گرمیٔ وصل سے مرے گر ڈر ہے آپ کو
پنکھا جھلاؤں بندِ قبا کو بھی وا کروں

دو دن ہی رکھیو بعد کو قائم سہی حضور
بندوں سے بھی زیادہ جو خدمت کروں

گستاخیوں کی کچھ یہ سزا میری کم نہیں
تم کو سوہاتھ آٹھا جو میں بوسے لیا کروں

بخت سیہ کو میرے بھی روشن کرو صنم
نورِ خدا کو آپ کے گھر کا دیا کروں

مطلب یہ ہے تمہارے گلے لگ کے رونے سے
موتی کو آنسوؤں کے ڈر بے بہا کروں

ہاں اور لوگ وصل میں عریاں بھی کرتے ہیں
میں بے حیا نہیں جو تمہیں بے حیا کروں

---

[1] "مری جان" معشوقہ فرنگ کی زبان سے

آئیں گے دن کو ہم رمضان میں بھی کہتے ہو
کب تک تمہارے واسطے روزے قضا کروں
معافی بنا ہے کہتا ہے ساغر چلے نسیم
شکر پری کروں کہ میں شکر خدا کروں

میں نے کچھ دکھلا لیا ان کو جو بالا پوش میں
تڑپے بجلی کی روش کیا کیا مرے آغوش میں
پھر تپش ہوتی ہے شریانِ لبِ خاموش میں
بادۂ سربستہ خم کا سا ہے پھر خون جوش میں
کان شیطانوں کے بہرے یہ نہ پہنچے کانوں کان
ہاتھ سے میرے جو بالی اس نے پہنی گوش میں
دام میں انگیا کے چڑیا آگئی کڑھتی ہے جان
ہوش اڑتے ہی پری آنے لگے تم ہوش میں
آنکھ کے دوڑے سے لیتا ہے دمِ خنجر کے کام
ہیں عجب کیفیتیں اس کافرِ مے نوش میں
غیر سے سرگوشیاں ہیں کان پر جوں کیا چلے
بالا بالا گوش زد ہوتی ہیں خبریں گوش میں
چھوڑ دو جوتا ادب گہ پر وہ کہتے ہیں نسیم
کیا بتانِ ہند کی ہے آبرو پاپوش میں

قبول کیجئے انکار کا مقام نہیں — یہ جام مے ہے پری وصل کا پیام نہیں
عجیب ہے یہ سراپا کمر کا نام نہیں — کچھ ان کی بے دہنی میں مجھے کلام نہیں
ہے کون شیخ و برہمن جو دل آرام نہیں — تمہار دیر سے کعبہ تا حرم حرام نہیں

لیا جو مول زلیخا نے ماہ کنعاں کو — کہا جمال نے صبا ہوں میں غلام نہیں
بہک نہ جاؤں جو پی جاؤں بھرے ساقی — سواری ہیچ ہے جب ہاتھ میں لگام نہیں
اٹھائے ہاتھ جفا و ستم سے اے ظالم — خدا کے پاس بھی اس سے بڑا اسلام نہیں
صفیں ہیں جام کی مے خانہ اپنی مسجد ہے — بجز شراب کی بوتل کے یاں امام نہیں
جو ایک بوسہ لب لوں ہزار شکر کروں — ترے رقیب میں بھی نمک حرام نہیں
ہیں آپ کرتی ہوں خدمت کہا زلیخا نے — تری غلامی کے لائق کوئی غلام نہیں
وظیفہ ہے ترے حسن ادا و غمزے کا — کسی بشر کی زبان پر کسی کا نام نہیں
مرے گناہوں کو اور کس سے بخشواؤں میں — شفیع جز ترے یا سیدؐ انام نہیں
فراق میں نہیں بیتا میں آب کے بدلے کیا — الٰہی بندہ ترا شاد ہے مدام نہیں
چلے نہ جائے وہ گھر کو اسی بہانے سے — سنا دو میرے جانے کو اذنِ عام نہیں
ہجوم و یاس الم دل کو میرے گھیرے ہیں — کہ منتظر ہے جماعت مگر امام نہیں
کب آنے پاتا ہے رندوں میں نام زاہد کا — ہماری بزم میں بوئے کباب خام نہیں

نہ بھول جاؤ نسیم ان کے پھول پھینکنے پر
گلوں کی مہر و محبت کو کچھ قیام نہیں

ابرو کے اشارے سے تلوار چلاتے ہیں
پلکوں کی جھپک سے تم سو تیر چلاتے ہیں
یہ زہرہ جبیں کافر کیسے ہیں پری رو یاں
اک پل میں فرشتے کو دیوانہ بناتے ہیں
دیکھا ہے کبھی تم نے عاشق کی وہ محفل ہیں
کس داد سے آتے ہیں کس گھات سے جاتے ہیں
اللہ سے ہیں یہ پہلے بولوں کا قیامت ہیں
یارب یہ بتِ کافر ناحق کو ستاتے ہیں

اُس گیسوئے کافر سے ہوئے ہیں کہاں ناگن
دل کو بھی نسیمؔ اپنے کب پیچ میں لاتے ہیں

تاج کی تقلید سے قیصر گدا ہوتا نہیں
استخواں کھایا تو کیا کوا ہُما ہوتا نہیں

پھر کوئی دیوانہ مجھ سا دوسرا ہوتا نہیں
اے پری رو آسیا پھر بے وفا ہوتا نہیں

سر مرا اے یار کب نذرِ ادا ہوتا نہیں
شکر یہ انداز کا ہرگز قضا ہوتا نہیں

دستِ موسیٰ سا پھپھولا ہاتھ کا ہوتا نہیں
ہر عصائے پیر حاشا اژدہا ہوتا نہیں

ہر کسی پر کشفِ سرِّ ہل اتیٰ ہوتا نہیں
جز علیؑ کوئی وصیِ مصطفیٰ ہوتا نہیں

دل صفا کج طبع کا ہر آئنہ ہوتا نہیں
مہرِ تاباں دستِ شل میں آئنہ ہوتا نہیں

وہ اطاعت سے کسی کا آشنا ہوتا نہیں
بُت خلائق کی پرستش سے خُدا ہوتا نہیں

گرم طینت سے زمانہ آشنا ہوتا نہیں
مہر کے چشمے میں کوئی آشنا ہوتا نہیں

کہ بلا خوفِ جاناں کُہربا ہوتا نہیں
ڈوبتے کو کیا سہارا آہ کا ہوتا نہیں

رحم جس ظالم کی مِلّت میں روا ہوتا نہیں
اِس پہ نازل کاہیکو قہرِ خُدا ہوتا نہیں

دستِ پروردہ کو دیتے ہیں اماں نرگس مزاج
مُوئے تعزیر کیوں وہ زدِ حنا ہوتا نہیں

کچھ مرے منہ سے نہ نکلا آپ بیٹھے روٹھ کر
کیا کسی کے ساتھ دنیا میں گلا ہوتا نہیں

خونِ دل بلوائیے مجھ کو جگر جلتے ہوئے
بے کباب اے جانِ من مے میں مزا ہوتا نہیں

دھیان میں زلفِ پری کے عقل بھی ماری گئی
باندھتا ہوں پر درست اک قافیہ ہوتا نہیں

کیا غضب ہے ہر کوئی کیوں پوچھتا ہے کیا ہوا
کیا محبت میں کہیں کچھ ماجرا ہوتا نہیں

تو مجیبِ دعا خالق و غفار ہے ربّ الرحیم
ہے یقیں خالی مرا دستِ دعا ہوتا نہیں

دشمنی کرنے دو دشمن عیب بینی عیب چیں
دوست گر ہے دوستی میں کچھ بُرا ہوتا نہیں

راستی سے شمشاد قد محرم رہتے ہیں مدام
سروِ بستانی کہیں پھولا پھلا ہوتا نہیں

بوسۂ لب مانگتا ہوں بالا بتلاتے ہیں آپ
پیر مرشد کوئی عاشق بال کا ہوتا نہیں

کیا سنوں مالک ترا مے خانہ بتلا ہے کدھر
راہ گم کردہ کسی کا رہنما ہوتا نہیں

کوئی بڑھتا ہے کوئی گھٹتا ہے کوئی ہے یونہی
اس جہاں میں ایک سب کا مرتبا ہوتا نہیں

خوب مشتاق لاغری ہے یار سے ہونے دو وصل
ہیں بہ رنگ کاغذ وصلی جدا ہوتا نہیں

سینکڑوں منت سے آئے گھر تو یہ کہتے ہوئے
تم جو سمجھے ہو وہ مجھ سے واہ واہ ہوتا نہیں

آنکھ طوطے کی سی بدلی آج میں نے یا حضور
کون بولا تھا کبھی میں بے وفا ہوتا نہیں

آئیے کوٹھے پہ جاناں کھولئے بند نقاب
کہتے ہیں سب نیر اعظم سہا ہوتا نہیں

جسم و جاں میں تھا کسی موجب سے ہے دلا دوستی
بے غرض کوئی کسی کا آشنا ہوتا نہیں

خون دل بھی سینچ کر بوئے کوئی تخم امید
جز سحاب لطف حق نشو و نما ہوتا نہیں

کشتۂ لب سے وہ مہ بولا مسی ملتے ہوئے
ہم پہ ثابت اب کسی کا خوں بہا ہوتا نہیں

یہ غزل سنتے ہی ہنس ہنس کر وہ گل کھلنے لگا
نغمۂ بلبل میں اتنا چوچلا ہوتا نہیں

کہتے ہیں وہ جب تب مجھ کو ستاتا ہے تسلیم
کتنے مرتے ہیں یہ کیوں غارت خدا ہوتا نہیں

صورت سے تیری خوب تماشا نہیں کہیں
گھر سے میں اس لئے ترے جاتا نہیں کہیں

دیکھی ہے جب سے میں نے تمہاری ہرن سی آنکھ
جنگل میں پھر رہا ہوں ٹھکانا نہیں کہیں

ہے ہے میں کیسے ہجر میں دل کو سنبھال لوں
کیا ہو گیا پتا بھی جگر کا نہیں کہیں

اپنے قدح کی خیر مناتا ہے ہر کوئی
دنیا میں آشنا ہی ہمارا نہیں کہیں

کانوں کو شوق ہے کہ غزل یار سے سنیں
کہتی ہے آنکھ رقص بھی ہوتا نہیں کہیں

مسجد میں تیری خاک تیمم کی ہو تو ہو
ساقی و جام بادہ و مینا نہیں کہیں

ہیں اس کو یاد سینکڑوں مکر و فریب و فن
سچ مانیو تسلیم سا جھوٹا نہیں کہیں

کسی سے ہے مجھے ان روزوں الفت باطن
مزے دکھاتی ہے کیا کیا محبت باطن

خدا کسی کو نہ دیوے محبت باطن

نہ یاد جاتی ہے دل سے نہ وحشتِ باطن

جلا کے دل کو مرے آبِ اشک سے نہ بجھا

میں جانتا ہوں تری سب شرارتِ باطن

بتوں کے دل میں جو باتیں ہیں سب سمجھتا ہوں

خدا نے دی ہے مجھے بھی کرامتِ باطن

یہ ظاہرا ہے یَدُاللہ فَوقَ اَیدِیہِم

ہمیں ہے دستِ سبو سے بھی بیعتِ باطن

زیادہ خوش ہے مرے ضبطِ عشق سے وہ بُت

کہ ہے خدا کو بھی مقبول طاعتِ باطن

ہماری آپ کی ظاہر میں دشمنی ہی سہی

مگر ہو غیر سے جانی عداوتِ باطن

سخی بھی جان کے دیتے ہیں مال نامِ خدا

کہ لازوال ہے خورشیدِ دولتِ باطن

وہ منہ پہ ہنستے ہیں منہ موڑ کوستے بھی ہیں

الٰہی دور ہو اُن سے عداوتِ باطن

یہ خاکسار ہیں عشق در غبار آلود

خدا ہی جانے فقیروں کی شوکتِ باطن

وہ مجھ سے آنکھ لڑاتے ہیں چوری چوری سے

نگاوٹوں سے عیاں ہے عنایتِ باطن

مزاج میں ہے تمہاری بلا کا بھولا پن

چلے نہ غیر سے صاحب سلامتِ باطن

سلام یار میں دیتے ہیں سو پیامِ نسیم

ہے ماہ دلو میں یا ہے ترا رکاب میں پاؤں
حمل میں مہر ہے یا برج آفتاب میں پاؤں
عرق کی دھن لب میگوں کا دھیان ہے دل میں
پری نے رکھا ہے اس شیشہ گلاب میں پاؤں
یہ وہ زمینِ مصفا اُسیر کی ہے نسیمؔ
کہ ہر کسی کے پھسلتے ہیں یاں جواب میں پاؤں

شیخ جی تم گاو سے ہو کچھ نہیں پر ناک میں
ناتھ زینت ہے تمہیں ڈالو مچھندر ناک میں
پاگئی آئین حق بینی تمہارے خلق سے
بے سر و ساماں ہے عاشق تم کو بے سر ناک میں
کان میں اور بحر میں ایسے جواہر ہیں کہاں
جو دُرِ دریائے خوبی کے ہیں گوہر ناک میں
اس شہِ خوباں کی نت کا جس سے ہوں حلقہ بگوش
جی نکل سکتا نہیں کھاتا ہے چکر ناک میں
اے نسیمؔ اپنی غزل سنتے ہی بول اٹھے حسود
فی البدیہہ کیا ہی لکھا ہے سخن ور ناک میں

وہ ناتواں ہوں فرقت سیمیں عذار میں
ہے عالم طلائی ورق جسم زار میں
چھمہ ہے گال حلقہ گیسوئے یار میں
شہر حلب ہے صاف نمایاں تتار میں

دیکھا مژہ نظارۂ گیسوے یار میں
لے جاتے ہیں سنپولے مجھے خار زار میں

باندھا گیا ہے زلف میں خانہ خراب دل
خانہ خرابی ہو گئی شہر تتار میں

درِ نجف کے جُرم میں روشن ہے صاف بال
مستی کی ریخ ہی نہیں دندانِ یار میں

شیدا ہوں دلم زلف کا ہوتی ہے فکرِ وصل
صیاد کا اسیر ہوں دل ہے شکار میں

سُرخی جو پان چباتی ہے خط سے نمود ہے
سُرخی لگی ہے مصحفِ رخسارِ یار میں

کاکل میں دل کو آہِ رسا سے رسا ہوا
گاڑی دھوئیں کی مل گئی پہنچا تتار میں

مجھ کو ہنسی نے غنچہ دہن کی کیا شہید
ہے زلفِ زعفران گل شمعِ مزار میں

عہدِ شباب داغ میں سوزش ہوئی نمود
خورشید گرم ہوتا ہے نصف النہار میں

دیتا ہے اس جہاں کی خبر دل کو تارِ دم
انداز دور کا ہے مرے برقی تار میں

فریاد و یادِ چشم سے اے دل نہ کیجیے
شایاں نہیں ہے شور ہرن کے شکار میں

ایسے ہو عندلیب خوش الحان تم لے نسیم
ہوتا ہے وصف نغمے کا لاکھوں ہزار میں

مرثیہ

غم سرور میں اشکِ سرخ دہ پھولوں کے دستے ہیں
سلامی جن کی نکہت سے دماغِ حور بستے ہیں
مژہ بھالے مسلسل اشک احمر تر کی دستے ہیں
غمِ اکبر ہے لڑنے کو کمر ننھی سی کستے ہیں

نہیں بے وجہ تارِ زلفِ اکبر خط پہ ہیں الجھے
جنابِ خضر کو ظلمات میں جانے کے رستے ہیں
سریع السیر بھی اختر نہیں اس چرخ اطلس کے
ستارے عرش کے ہر بار یہ دیدے برستے ہیں

الٰہی خیر ان کی جان کی کہتی رہی صغرا
مری ننھی سی جاں کو چھوڑ بابا دور بستے ہیں
سجا ہے عرشِ حق زلف و خط و رخسار اکبر سے
یہی سنبل یہی ریحاں یہی پھولوں کے دستے ہیں

غمِ سرور کرو جنت چلو بے طاعت و پرستش
مسلسل اشک قرب کبریا کے چور رستے ہیں
کہا جعفر نے شہ سے تم سلیماں ہو مرے آقا
مرے پریوں کے ہیں جنات کے یکدست دستے ہیں

ذرا ہو جائے حکم ان کو کھڑے ہیں انتظاری میں
سرِ دوں پر ناریوں کے دم میں انگارے برستے ہیں
کہا شہ نے رضائے حق امیں سر دینے کا وعدہ ہے
ہمارے دل میں اس ارمان کے شعلے برستے ہیں

غمِ حسینؑ میں اشک اپنے ایسے بے بہا نکلے

خدا دیتا ہے جنت فاطمہ کہتی ہیں سستے ہیں
قضا کہتی تھی نوشہ دیکھ شبیر حق کے پوتے کو
جنازہ کیوں نہیں کستے پلنگ اُن کا جو کستے ہیں
کہیں سیدھے کہیں بانکے ہیں مارِ گیسوے اکبر
لے رہتے ہیں مومن سے مگر کافر کو ڈستے ہیں
نسیم اپنے در مضمون و مونس میں ہے فرق اتنا
یہ اعلیٰ ہیں وہ ادنیٰ ہیں یہ مہنگے ہیں وہ سستے ہیں

مرغ دل زلف میں پھنسنے کی انہیں یاد نہیں
اس طپش سے مری واقف مرا صیاد نہیں
دل کو دم بھر میں تجھے بھولنے کی یاد نہیں
یہ وظیفہ ہے مرا اور کوئی اوراد نہیں
عاشقوں میں ترے مجھ سا سخن ایجاد نہیں
میرے شاگرد سے لائق کوئی استاد نہیں
در سے اٹھے ترے اور رونگٹا میلا جو کرے
بندہ وامق نہیں مجنوں نہیں فرہاد نہیں
اشک آنکھوں سے نکلتے ہی چلے جاتے ہیں
یہ عجب سیپ ہے کچھ موتی کی تعداد نہیں

سیر کو وہ نکلتے جاتے ہیں — ہم بھی کچھ کچھ سنبھلتے جاتے ہیں
وہ جو باہر نکلتے جاتے ہیں — عاشق اندر ہی جلتے جاتے ہیں
سارے مضمون ترے سراپا کے — کیسے سانچے میں ڈھلتے جاتے ہیں
میرے نالوں نے کی ہے کچھ تاثیر — سنگ سے دل پگھلتے جاتے ہیں

پاؤں پڑ پڑ کے میں مناتا ہوں — اور بھی وہ مچلتے جاتے ہیں
خط یہ لہراتے ہیں کہاں گیسو — زہر کالے اگلتے جاتے ہیں
صدف آنکھوں کو دیکھ کر تیری — کف افسوس ملتے جاتے ہیں
چھاؤں میں جو قدم نہ رکھتے تھے — دھوپ میں اب وہ جلتے جاتے ہیں

حشر میں بھی نسیم کے گھر سے
خالی شیشے نکلتے جاتے ہیں

عجیب لوگ ہیں جو مر گئے یہ جیتے ہیں
غم اور خونِ دل اپنا ہی کھاتے پیتے ہیں

شکار کرتے ہیں شہری غزال آنکھوں سے
اسی سبب سے مگر جنگلوں میں چیتے ہیں

کسی حسیں کی ہوں تیغ نگاہ کا گھائل
مژہ سے حور کے چاک جگر کو سیتے ہیں

یہ اور کھیل نہیں بازی محبت میں
وہ جان ہار چکے جو کھلاڑی جیتے ہیں

گیا سب آب خور اپنا ہے بھوک پیاس اتنی
کباب کھاتے ہیں کچھ شراب پیتے ہیں

گناہ کرتے نہیں رند بے سبب یارب
تجھے غفور سمجھ کر شراب پیتے ہیں

ہمیں خیال یہ آتا ہے خواب میں دیکھے
نسیم آپ جو مضمون کمر کے چیتے ہیں

شعر نسیم گونجا ہے زیور ہے کان میں
دردانہ جان کب یہ جواہر ہے کان میں

میں بانکپن جو دیکھتی ہوں اس جوان میں
رہتی نہیں ہے جان مری جانِ جان میں

جاں ڈگڈگی میں کھیلتی ہے جانِ ہجر سے
پردہ سپاہی زادہ ہے بازی کے دھیان میں

چھاتی سے میں لگائے ہی رہتی ہوں رات دن
کچھ کچھ ابھی چمک ہے مرے مہربان میں

منہ بھر کے تھوکوں پان جب آجو رہے تو کیا
آئے اگر قصور مرے مان پان میں

دو چار ہیں تو کیا ابھی آنے دو ان کو بھی
کمرہ بنا سجاؤں گی اپنے مکان میں

کل بیگم آپ گھیر لے آؤ نسیم کو
کچھ تو مزا اٹھائیں لپٹ بوستان میں

اگر وہ ناز سے نکلیں ذرا خرام کریں
تمام دیر کے اٹھ اٹھ کے بت سلام کریں
یہ ہوس سب کے اڑیں شیخ بھی سلام کریں
الٰہی رام تک اس بت کو رام رام کریں
یہی ہے مہر تری اے فلک یہی انصاف
مریں ہم ان پہ کہیں اور وہ پیام کریں

فرد

نہ ملا ان سے کہ ملنے کی ہوس بھی تو نہیں
غیر کے بس میں ہیں وہ خیر سے بس بھی تو نہیں

فرد

سیہ بختی سے عشق خط میں مستقی بنا ہوں میں
برنگ کاغذ تشنہ سیاہی پی رہا ہوں میں

فرد

فراق یار میں فاقے کڑاکڑ جب گزرتے ہیں
تو دیکھا چاہیئے صورت ہماری روزہ داروں میں

فرد

چاند کو دیکھتے ہی روٹھ گئے وہ اے نسیم
عید کے دن بھی گلے ملنے کی امید نہیں

فرد

نہ خط آتا نہ کچھ بھی خیریت معلوم ہوتی ہے
گئے یارب نظر سے اور کس بستی میں بستے ہیں

ردیف واو

یار ہی کا خیال ہے مجھ کو
الفت ذوالجلال ہے مجھ کو

کس کمر کا خیال ہے مجھ کو
ہائے جینا وبال ہے مجھ کو

نظر کیمیا اثر ان کی
دولت لا زوال ہے مجھ کو

رات کچھ کھٹ پٹی سے کٹتی ہے
روز کٹنا محال ہے مجھ کو

مانتے ہیں جو ماننے کی نہیں — جل میں اتنا کمال ہے مجھ کو
اتنا انگیٹ کو دیکھ اترانا! — تیرے سینے پہ دال ہے مجھ کو
آب کوثر بھی جز ترے اے حور — عرق انفعال ہے مجھ کو
اے مری جان رشک یاقوتی — تیرے منہ کا اُگال ہے مجھ کو
دیکھتے ہی حسیں کرڑکتے ہیں — حال جائے سوال ہے مجھ کو
نرگس چشم سے ہے بیماری — مئے گلگوں حلال ہے مجھ کو

ڈھونڈ لوں گا نسیم اور پری
کیا حسینوں کا کال ہے مجھ کو

دریا موج سا کبھی ہم سے جدا نہ ہو — اے بُت خدا نکل بھی ترا آشنا نہ ہو
محفل میں اس پری کی جو یہ دل جلا نہ ہو — یارب شراب ناب میں ہی کچھ مزا نہ ہو
اس سبز خط کے بوسے لئے میں نے خواب میں — یارب غبار دل میں کہیں آ گیا نہ ہو
پلوا رہے ہو رو برو غیروں کو جام مے — اور کہتے ہو مجھے تو مری جاں خفا نہ ہو
میری روش پہ کس لئے بہکا ہے کیا ہوا! — مجنوں سے کہہ دو جیب بھی ہو یوں بادلا نہ ہو
نکہت سے مشک و عطر کی دنیا مہک گئی — پانی نہانے میں ترا جوڑا کھلا نہ ہو
مرہی گیا ادھر جو مرا نامہ بر گیا — قاصد خدا کے واسطے تو بھی فنا نہ ہو
بخت سیہ دلیل ہمیں یوں بھی کرتے ہیں — جس شب وہ آئے گھر کو اسی شب دیا نہ ہو

(ق)

لالہ ہو ارغواں ہو سمن ہو گلاب ہو — چینا ہو یاسمن ہو مگر دیلیا نہ ہو
آب رواں ہو چاندنی ہو سبزہ زار ہو — نرگس کی طرح غیر کوئی دیکھتا نہ ہو
ساقی ہو مے ہو گائیں پری زاد سب بہار — ساغر سے جلد چلنے میں چرخ دوتا نہ ہو
پریوں کا رقص رو برو ہوتا رہے مدام — پہلو سے یار لب سے پیالہ جدا نہ ہو

سامانِ عیش گریہ بیستر ہوا اے نسیم
ہٹ دھرمی ہے زباں پہ جو شکرِ خدا نہ ہو

واں بھی بھول جائے جناں کی بہار کو
دیکھے جو لال باغ میں شہ کے مزار کو

ایِد کباب چاہیے فصلِ بہار کو
جو بھونتی ہے پھول کی آتش ہزار کو

ولانہ مر کے نشترِ مژگانِ یار کو
شریاں سے ہے تپش رگِ سنگِ مزار کو

شش دہک رہی ہے رگ و پے میں آج کیا
اے سوزِ عشق آگ لگے تیرے پیار کو

ں کشتۂ شکر لبِ شیریں کلام ہوں
کھائیں گی چیونٹیاں مری خاکِ مزار کو

امت کی دھن میں پنجۂ رنگیں کا دھیان ہے
پیوند سرد کرتا ہوں شاخِ چنار کو

فیضِ جنابِ فیض سے واللہ اے نعیم
باغِ جہاں میں نغمے نے مارا ہزار کو

دسیاں کہتے ہیں فردوس میں کعبا دیکھو
ال باغ آکے مزارِ شہدا دیکھو
بے دھڑک بام پہ نادان کا آنا دیکھو
چھاتیاں چھوڑ اسی تن تن کے تنانا دیکھو

زہد و تقویٰ سبھی بھولو گے اجی او تبلہ
کعبہ تو دیکھ چکے رونق گرجا دیکھو

بوسہ پر بوسۂ لب لوں گا سبھی بے تکرار
ہے مجھے قندِ مکرر کا تو چسکا دیکھو
نوجوانی ہے نسیم آپ کی برباد نہ ہو
گلشنِ دہر میں کوئی گلِ رعنا دیکھو

فرد

زر کو دیکھو نہ سیم کو دیکھو اجی گل رو نسیم کو دیکھو

تضمین غزل آتش

نیک جو ہے اسے رسوائے جہاں کرنے دو فائدہ اپنا ہی ہووے گا زیاں کرنے دو
ہے سبک بات مگر خوب گراں کرنے دو دل بے تاب کو فریاد و فغاں کرنے دو
پہلے غماز ہی کو قصہ بیاں کرنے دو

پیچ کھایا جو کہیں زلف دھواں ہووے گا لاکھ پردا نہ جلے خاک عیاں ہووے گا
متفق کہنے پہ گر ایک جہاں ہووے گا سو دل میری طرح سے نہ بیاں ہووے گا
شمع کافوری کو بھی چرب زباں کرنے دو

ردیف ہا
خمریہ

توبہ کا دم ہو بیہودہ فغاں باب میکدہ سرمایۂ نجات ہو اسبابِ میکدہ

اہل صفا کی طرح کرو سجدہ مے کشو
روشن ہے نور بادہ سے محراب میکدہ

ہم کیا کریں نصیب تمہارے برے ہیں شیخ
یخ در بہشت کا سا ہے دوشاب میکدہ

پیتا ہے ساتھ حور کے کل بادۂ طہور
پیر مغاں سے سیکھ لو آداب میکدہ

بنوائے گی بہار رطب مے کو فاختہ
سرو سہی کا ہے شیشۂ سرخاب میکدہ

آئی بہار ساقی کوثر پہ ہو درود
بسم اللہ آج کھولتے ہیں باب میکدہ

چوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است
کیا کیا تکتے ہیں ابر کو اصحاب میکدہ

لا جلد جلد ساقی رشک قمر شراب
دے جام آفتاب کا مہتاب میکدہ

قلقل کے شعر پڑھتے ہیں لا تقنطو مدام
مستی میں ہوش رکھتے ہیں ارباب میکدہ

پریوں کے تخت ٹوٹتے ہیں کالی گھٹا بھی ہے
بجلی سی ہنس رہی ہے مے ناب میکدہ

پالے پڑے ہیں ساقی گلفام کے نسیم
دربان کی طرح بیٹھے ہیں درباب میکدہ

ان کے مشتاق کو کیوں کر ہو میسر نامہ
نہ پتا گھر کا ہے قاصد کو نہ ہے سر نامہ

سر بکف ہو ہو کے پڑھتا ہوں میں بے سر نامہ
وہ کبھی تو چندیوں میں سنتے ہیں گلسر نامہ

قاصدا رکھ دے تو اول میرے سر پر نامہ
بعد سینہ سے لگا لوں گا میں پڑھ کر نامہ

آپ نے نامہ و پیغام کا رشتہ توڑا
میں تو لکھتا ہوں ہر اک پل میں مکرر نامہ

دھار تلوار کی اور تیرا گلا ہے قاصد
دیر سے مجھ کو جو پہنچے کبھی دم بھر نامہ

ہے خطِ سبز تری اللہ رخ پہ نمود
خضر کیا آئے ہیں پڑھنے کو سکندر نامہ

پھرتے ہیں خط کو گلے اپنے لگا لے لے کے
قتل عاشق کے لئے ہے ترا خنجر نامہ

تار برقی پہ وہ بجلی کی روش گرتے ہیں
بھیجا قاصد کو تو کھا جاتا ہے ٹھوکر نامہ

کیا میں قاصد تھا جو کی تم نے غضب کی شوخی
غیر کے نام کا ہے نامے کے اندر نامہ

رشوتیں منشیوں کو دوں میں الٰہی کب تک
نہیں سنواتے برابر انھیں پڑھ کر نامہ

سر چڑھا ہے ترے گیسو کا مگر آہ رقیب
مجھے لکھتا ہے وہ جیسے کوئی ہمسر نامہ

جب وہ مسرور ہوں مطلب مرے سمجھیں گے
نامہ بر ہے بطِ مے خون کبوتر نامہ

ہے فقط ذکرِ مے و ساقی و مینا دگزک
میرے دیواں کو پری کہتے ہیں ساغر نامہ

غیر کی آنکھ نہ پڑ جائے مرے مطلب پر
پرزے پرزے کرو لے جان یہ پڑھ کر نامہ

مطربو لو یہ غزل جا کے سناؤ ان کو
نامہ بر لاتا ہے واپس مرا اکثر نامہ

اس نے دم دینے مجھے وصل کا وعدہ جو لکھا
ہو گیا جامۂ ملفوف کے باہر نامہ

میں نے اس بحرِ ادا کو جو لکھی دل کی تڑپ
ہو گیا ماہیِ بے آب سا مضطر نامہ

اور لکھنا تھا ذرا شوق کا مضمون ان کو
اڑ گیا ہائے یہ کیوں لے کے کبوتر نامہ

شعر سا چھپتے ہیں اس عصر کے شاعر مجھ سے
منشیِ چرخ کو لکھنا ہے سنبھل کر نامہ

جان کا مول ہے پریوں کی غزل اپنی نسیم
کاغذِ زر سے بدل جاتا ہے ہر ہر نامہ

ڈر گئے وہ دیکھ کر تصویرِ پشتِ آئنہ
کھیل ہی بگڑا اترا تقدیرِ پشتِ آئنہ

جب سے ہے مرغوب انہیں تصویرِ پشتِ آئنہ
ہو رہے افزوں ہوئی تشہیرِ پشتِ آئنہ

اس نے دیکھا رہ گئی تقدیرِ پشتِ آئنہ
اب کے بارے بن گئی تدبیرِ پشتِ آئنہ

اس نے چھاتی سے لگایا اپنی صورت دیکھ کر
کہہ نہیں سکتا ہوں کچھ توقیرِ پشتِ آئنہ

گر مرا عیسیٰ نفس دکھلائے گا چاہِ ذقن
اس کے مژگاں کی جھپک ہے تیرِ پشتِ آئنہ

منہ نہیں وہ دیکھتا ہے دل پہ کرتا ہے نظر
شکر اس طوطے کی ہے تقریرِ پشتِ آئنہ

منہ نہیں وہ دیکھتا ہے دل پہ کرتا ہے نظر
کیا مری تقدیر ہے تقدیرِ پشتِ آئنہ

یار ہے مجھ سے مکدر غیر سے ہے صاف دل
آئینے سے ہے فزوں توقیر پشت آئنہ

ہے فلک پر یا خدا اس ترک خود بیں کا دماغ
ماہِ نو ہو جائے گا شمشیر پشت آئنہ

آپ کے رُخ پر نہیں خط عکس چوٹی کا سہی
منہ پہ کہتا ہوں یہ ہے زنجیر پشت آئنہ

اضطرابی وحشت دل کی ہے غیبت میں مدام
دیکھئے پارہ ہے آہو گیر پشت آئنہ

صحبت صافی دروں اہل تحیر کو ہے راس
الٹی سیدھی بنتی ہے تصویر پشت آئنہ

اُلفت عارض میں تیرے ہیں جو سیہ زباں
دیکھئے اے شمع رو گل گیر پشت آئنہ

ہے وصال ہمّا تن سے طبع رنگیں کی بہار
بے خزاں ہے گلشن تصویر پشت آئنہ

آئینے کی اوٹ میں لے سانس ٹھنڈی اے نسیم
صاف دکھلا دے انہیں کشمیر پشت آئنہ

وصف مدینہ

ثنا اُس کی ہے تمنائے مدینہ — بنائے خدا ہے بنائے مدینہ
ہے مضطر اسیر ہوائے مدینہ — خدارا خبر لو خدائے مدینہ
جناں گر میں دیکھوں بجائے مدینہ — مرے پر اٹھوں کہہ کے ہائے مدینہ
ہے تخت سلیماں فضائے مدینہ — ہے اسکندر و جم گدائے مدینہ

ہے روحِ ملائک ہوائے مدینہ
ہے عرشِ خدا ہر سرائے مدینہ

مرا جسم ہو زائروں کے تہِ پا
مری روح ہو وقفِ ہوائے مدینہ

ہوائے محمدؐ مری جاں نہ لینا
الٰہی نہ جب تک دکھائے مدینہ

مری مشکلوں کو یقیں حل کریگا
علی شاہ مشکل کشائے مدینہ

جو دیکھے محمدؐ کو دیکھے خدا کو
نہ جائے وہ جنت جو جائے مدینہ

تہِ گل مرے دل کو اے کاش کرتا
یہ کی جس نے اول بنائے مدینہ

زمیں شعر کی آسماں جناں ہے
ہے کعبے سے ثابت ثنائے مدینہ

نسیمؔ آہ وہ بھی کوئی روز ہوگا
کہ ہو بلبلِ دل فدائے مدینہ

نعت

ہمیشہ اشک آنکھوں سے رواں ہے یا رسول اللہؐ
غمِ حرماں کا دل میں کارواں ہے یا رسول اللہؐ

درِ ذیشاں ترا دارِ اماں ہے یا رسول اللہؐ
ترا کوچہ بہشت جاوداں ہے یا رسول اللہؐ

بہارِ عارضِ زیبِ جناں کی تاب فرقت سے
گلستانِ جہاں صرفِ خزاں ہے یا رسول اللہؐ

بجان و دل جو زائر ہیں ملائک سے نہیں کم ہیں
زمیں روضے کی تیرے آسماں ہے یا رسول اللہؐ

کیا گل نے قبا جامہ ترے رخسار کی دھن میں
یہی بلبل سے گلشن میں فغاں ہے یا رسول اللہؐ

[illegible] جھاڑیں
گذرگاہ قدم تیرا جہاں ہے یا رسول اللہ
نسیمِ وادیٔ عصیاں کو دِکھلا صبح صورت کو
تپِ فرقت سے تیری نیم جاں ہے یا رسول اللہ

ردیف یا

تیری گلی میں جو آئے وہ گھر نہیں جاتے
جو تیرے در پہ ہیں وہ دربدر نہیں جاتے
وہ آئیں گے کبھی کوٹھے پہ امتحاں کر لو
فلک سے بھاگ کے تو شمس و قمر نہیں جاتے
مسیح و بو علی سینا کی کیا ہوئی تشخیص
کِسی علاج سے داغِ جگر نہیں جاتے
گلے لگاتے ہیں ان کو بہانے رخصت کے
چلے شراب کر اب ہم سفر نہیں جاتے
وہ کون صبح نہیں کرتے شام کا وعدہ
وہ شام کونسی ہے جو مگر نہیں جاتے
پڑھایا طوطے کو اک عمر بے وفا نِکلا
ازل کے بگڑے کسی سے سُدھر نہیں جاتے
یہ آگے آگے کنول لے کے چل رہے ہو کیوں
وہ منزلوں میں قمر کے اگر نہیں جاتے
تمہاری چشموں نے خط پر مگر نہ ڈالی آنکھ
غزال کس لئے ریحاں کو چر نہیں جاتے

فلک سے پوچھئے دریا کا شور کچھ بھی ہے
جو نکلے دل سے یہ نالے کدھر نہیں جاتے

غبار آہ کا میرے ہے جلد ریل سے بھی
کچھ آپ برق روش تار پر نہیں جاتے

لڑا کے آنکھ تم آنکھوں سے ہوگئے پنہاں
پر آنکھ سے مری مثلِ نظر نہیں جاتے

مکان اور تو لائق نظر نہیں آتا
غریب خانہ تو ہے کیوں اُتر نہیں جاتے

خیال سبزۂ خط بھی ہو لے جناب خضر
پیئے ہیں آب بقا آپ مر نہیں جاتے

دھڑی جماؤ ملو مہندی زلف سلجھاؤ
غضب کا ناز ہے تم کیوں سنور نہیں جاتے

تمہاری چوٹی کی ناگن سے کھیلتے ہیں مدام
کسی بلا سے یہ عشاق ڈر نہیں جاتے

خفا نسیم سے کتنے ہیں وہ الٰہی خیر
ہوا بھی کھانے کو شام و سحر نہیں جاتے

آپ اے نسیمؔ وصل میں کیا کام کر گئے
دشمن تمام رات کو گھبرا کے مر گئے

تو چندیاں ہوئیں کئی میلے گذر گئے
آئے نہیں ادھر وہ الٰہی کدھر گئے

خالی پیالے وصل میں وہ دیکھ ڈر گئے
شیشے شراب لعل کے غصے میں بھر گئے

مارو تو ہاتھ ہاتھ یہ کھاؤ قسم میری
کب مجھ کو یاد کرتے ہیں جب آپ گھر گئے

کوٹھے چڑھے ترے لب جاں بخش کس قدر
بام فلک سے حضرتِ عیسیٰ اتر گئے

زندہ رقیب ہی ہوا نہیں فرقت ہمیں نصیب
شوقِ وصال میں ترے عشاق مر گئے

تیری گلی میں روح رہی تو ہوئی نجات / دوزخ گئے بہشت میں بھی ہم اگر گئے
حیرت ہے مجھ کو چشم و خطِ یار دیکھ کر / آہو یہ کس لئے نہیں سبزے کو چر گئے
منت ہے ان کے گالوں کی عاشق پہ حشر تک / آ فاتحہ کو قبر پہ دو پھول دھر گئے
یاں اک پری سے وصل رہا حور سے وہاں / ملتے رہے حسینوں سے ہم بھی جدھر گئے

آئینہ روبرو نہیں حیراں ہو کیوں نسیمؔ
سامانِ وصل کیجئے اب وہ سنور گئے

خدا جانے بتوں پر کیوں طبیعت آ ہی جاتی ہے
نہیں آتا کچھ اٹکل میں قیامت آ ہی جاتی ہے
ترے لب پر کسی کی جب طبیعت آ ہی جاتی ہے
تو اس کی پھیکی باتوں میں ملاحت آ ہی جاتی ہے
خیالِ کاکلِ جاناں سے شامت آ ہی جاتی ہے
ہمیں صبحِ وطن میں شامِ غربت آ ہی جاتی ہے
پیامِ وصل سنتے ہیں وہ جب اک رے اگ لاتے ہیں
غرض کچھ حیلہ سازی کی انہیں گت آ ہی جاتی ہے
بیانِ نورِ خدا کا جب کوئی واعظ سناتا ہے
مری آنکھوں میں اس کافر کی صورت آ ہی جاتی ہے
برنگِ بلبل اے گل وصل میں بھی ہم جو نالاں ہیں
سنا ہے ترکِ عادت میں عداوت آ ہی جاتی ہے
نہیں گر جاتی مہندی پاؤں کی گر آپ آجاتے
ہمیں گھر بیٹھے دولت خود بدولت آ ہی جاتی ہے
نصیبا بد چلن کا جاگتا ہے کیا ہی سونے سے
جو پائی اشرفی اک بھی شرافت آ ہی جاتی ہے

شبِ ہجرِ صنم میں صبحِ محشر تک نہیں ہوتی
جو روزِ وصل آیا شامِ فرقت آ ہی جاتی ہے

جو وہ زہرہ جبیں آتا ہے مہتابی پہ مغرب کو
فرشتے خاں بھی ہیں تو کیا طبیعت آ ہی جاتی ہے

مفرّح بو علی کا ہے مقرّ ناتوانِ عشق
لگا دو سینہ دلبر سے طاقت آ ہی جاتی ہے

خدا کے واسطے اے بت نہ سلجھا گال سے گیسو
جو نکلے مہر مغرب سے قیامت آ ہی جاتی ہے

گماں ہوتا ہے خط کا عارضِ شفّاف جاناں پر
نظر صورت میں ان کی اپنی صورت آ ہی جاتی ہے

جلا جاتے ہیں دل کو آتشِ دستِ حنائی سے
بتوں کی مہر میں بھی کچھ شرارت آ ہی جاتی ہے

نسیمؔ اس گل کے زلفوں کا جو مضموں باندھتا ہوں میں
مرے اشعار واہی ہیں بلاغت آ ہی جاتی ہے

جب زلف و رخ کا چرچا ہوا ہے — شب ہو گئی ہے تڑکا ہوا ہے
شہرہ جوان کے تل کا ہوا ہے — میزاں ہیں سورج ماشا ہوا ہے
یاں طائرِ دل بھڑکا ہوا ہے — واں باز غمزہ بھوکا ہوا ہے
جب کچھ لبوں کا چرچا ہوا ہے — دکانِ شیریں کھٹا ہوا ہے
ہمسر ہو کیوں کر گل رخ سے ان کے — اندھا ہوا ہے بہرا ہوا ہے
گیسو ہیں جانی یا مشک بولو — عاشق ہوا ہوں سودا ہوا ہے
طوفاں زا ہے آنسو ہمارا — دریا سمٹ کر قطرہ ہوا ہے
ساقی کے پالے پڑنے کے دن ہیں — پالا پڑا ہے جاڑا ہوا ہے

ابرو پہ اس کے سلجھا ہے گیسو
بچھو سے کالا چمٹا ہوا ہے

چشم و کمر میں ہے فرق پیارے
ہرنوں پہ چیتا چھوٹا ہوا ہے

پہنا ہے زیور وہ سر سے پا تک
سرو چراغاں طوبیٰ ہوا ہے

بانکے سپاہی تیر و کماں تو
مرنے کو بندہ سیدھا ہوا ہے

کانِ طلا ہے گنجِ شہیداں
کشتوں سے ان کے سونا ہوا ہے

اس گل نے ڈالی - آغوش میں لی
حورِ جناں کو بچہ ہوا ہے

گھبرائے کیوں ہو پیارے اذاں سے
الو مگر وہ مرغا ہوا ہے

الجھی ہیں زلفیں پھیلا ہے کاجل
بند قبا بھی ٹوٹا ہوا ہے

آئینہ دیکھو گیسو سنوارو
شب ہے ابھی کیا تڑکا ہوا ہے

اے شورِ محشر سونے دے دم بھر
بیچارہ مجنوں جاگا ہوا ہے

کٹ کر مریں گے عاشق تمہارے
دروازہ گھر کا تیغا ہوا ہے

ہے ہے نسیم اب پیتا نہیں ہے
زاہد ہوا ہے ملا ہوا ہے

پیام بر کو ہے ناتہ کسی پیمبر سے
ہے جبرئیل کو رشتہ ترے کبوتر سے

کہے یہ شیخ کہ توبہ کروں گا ساغر سے
الٰہی وہ بھی ہو محروم جامِ کوثر سے

قد خمیدہ مردودِ بزمِ دلبر سے
اشارہ یہ ہے مرے چشم حلقۂ در سے

جو بات کرتے نہ تھے کچھ رقیب کے ڈر سے
اگر وہ آئیں تو کیا ہوگا اب ذرا گھر سے

لہو حجاب میں زخمِ جگر کے چھپتا ہے
یہ کس نے مارا ہے در پردہ مجھ کو خنجر سے
وہ پان چبا کے کریں غرغرہ جو دریا میں
لہو ٹپکتے نظر آئے چشمِ گوہر سے
الٰہی باغ میں ہوں پھول پھول میں خوشبو
جدا نہ ہاتھ ہوا اپنا کبھی کنگنڑ سے
وہ آج ساقی بنے ہیں پری رو بے پردہ
حجاب آتا تھا کل جن کو چشمِ ساغر سے
جگائیں لیلیٰ و شیریں جو قیس و خسرو کو
اٹھیں گے حشر میں ہم بھی کسی کی ٹھوکر سے
تمہارا نامۂ شوق آتے ہی یہ دل پھڑکا
یہ مرغِ روح کو بدلایئے کبوتر سے
اگر ہیں آپ گل اندام اور جبیں ہیں گیند
تو سینا چاہیئے انگیا رگِ گل تر سے
تمہارے زلف کے کاٹے میں ہے بلا کا سم
نہ ہوگا بال بھی بیکا کسی کے منتر سے
سنہرے بالے یہ اس گل کے رو رہا ہوں میں
ہزاروں مرتے ہیں اطفال زیور و زر سے
پسینہ ابرو سے اترا تو گال لال ہوا
ہے دہکی آتشِ خورشید آبِ خنجر سے
وہ آدمی ہے تو دیکھیں جو تیری صورت کو
بلائیں لیں گے پری زاد پاؤں تک سر سے

جو بے شعور ہیں سونے سے پاتے ہیں آرام
کہ رونا چھوڑتے ہیں طفل زیور زر سے

جو سر پہ سایہ پڑا بن گیا یہ دیوانہ
جھٹ گیا میں پری جان یار کے ڈر سے

تمہارے گال سے گلشن پہ پانی پانی ہیں
رگ سحاب خجل ہے رگ گل تر سے

نہ کرتے ہو اجی دو بوسۂ لب شیریں
ہے زہر کس لئے اس کو مرے جو شکر سے

پلاؤ دھو کے بھویں پانی اپنے بسمل کو
کہ مرتے دم بھی گلو تر ہو آب خنجر سے

وہ سن کے کہتے ہیں موزوں کلام لطف آمیز
نسیم تم بھی نظر آتے ہو سخنور سے

شمع محفل جل رہی ہے ہم بغل فانوس ہے
کس کس آتش میں دل پروانہ مایوس ہے

پھر بہار آئی مے و ساقی کنار و بوس ہے
پنبۂ مینائے مے میں جلوۂ طاؤس ہے

شاہد نکہت سے شعلے کو کنار و بوس ہے
چربی پروانہ کیا عطر گل فانوس ہے

شمع گلبن ہے گل تر سر گل فانوس ہے
عندلیب زار پر پروانۂ مایوس ہے

پیچ کھاتا کیوں ہے مار زلف کیوں مایوس ہے
افسوس پری کا رقص ہے یا جلوۂ طاؤس ہے

شیفتہ من کے دہانِ تنگ کا کنجوس ہے
خال کا بوسہ جو لیتا ہے وہ مکھی چوس ہے

گوہر دندانِ جاناں سے ہوا کیا انقلاب
جو صدف ہے بحر میں وہ بھی کفِ افسوس ہے

ہو گئے اس زہرہ وش کے ساتھ ہولی میں ملک
باغ لالہ اند نوں باغ گل قدوس ہے

رات دن جھگڑا رقیب روسیہ سے ہے مجھے
فتح مومن ہو الٰہی جنگِ روم و روس ہے

یہ نہیں گل گیر پر گلچیں ہے باغ شمع کا
ہر پتنگا عندلیب گلشنِ فانوس ہے

بولنے لگ جائے گا طوطی دل پر داغ کا
اڑتے اڑتے سنتے ہیں واں خواہش طاؤس ہے

مکر کہتے ہیں اسے کہتے ہیں چھل اس کو نسیم
جو رقیب روسیہ بھی آپ کا پابوس ہے

شیرینی ترے ہونٹوں کی شکر میں نہیں ہے
دانتوں کی چمک دانۂ گوہر میں نہیں ہے

کر دیتا ہے بسمل ترے ابرو کا پسینہ
یہ آب یہ جوہر کسی خنجر میں نہیں ہے

اس عصر میں سودا ہے ترا جن و بشر کو
عشق اے بت کافر ترا کس سر میں نہیں ہے

مرجانے کی پروا نہیں ابرو کو چڑھا جا
کیا مجھ کو جلانا تری ٹھوکر میں نہیں ہے

دل اپنا نسیم اس گل زیبا کو نہ دوں کیوں
یہ حسن یہ شوخی کسی دلبر میں نہیں ہے

نیک نیت ہے پاک طینت ہے — اچھی سیرت ہے خوب صورت ہے
وصل کا روز کیا غنیمت ہے — بات کرنے کی کچھ بھی طاقت ہے
وصل میں ہجر ایک قیامت ہے — سارے ایام کی مصیبت ہے
ان کی صورت پہ کیا ملاحت ہے — گوری رنگت سے مجھ کو نفرت ہے
نہ سنے میری بات تو نہ سنے — شعر سننے میں کیا قباحت ہے
بوالفضولوں کو آہ و نالے ہیں — عشق میں غور و فکر و ہمت ہے
ہم بھی بدنامیوں سے ڈرتے ہیں — حاسدوں کی فقط حمایت ہے
حیلہ سازی میں رات کاٹ نہ یار — تیرے عاشق کی اب بری گت ہے
وصل جاناں ہوا بھی مر مر کے — ناز برداری آگے قیامت ہے

اس گلی سے نسیم آتے ہیں
دین و ایمان کیا سلامت ہے

طلب بے نشاں کے نشاں کیسے کیسے — بے لامکاں کے مکاں کیسے کیسے
ہوئے خاک دور جہاں کیسے کیسے — ہوئے حادثے ہیں یہاں کیسے کیسے
سنے وصل میں ہم بیاں کیسے کیسے — بہانے کئے وہ عیاں کیسے کیسے
قلق ہجر کے ہیں یہاں کیسے کیسے — گماں کرتے ہیں وہ وہاں کیسے کیسے
ہے کس کا دہن وصف لب میں تمہارے — سخنور ہوئے بے زباں کیسے کیسے
نہ شیریں ہی ہے اور نہ لیلیٰ ہے افسوس — جہاں سے گئے قدرداں کیسے کیسے
کئی کھاتے ہیں غم کئی ہیں بلانوش — ہیں اس خوان پر میہماں کیسے کیسے
گل داغ دل آہ سے کیوں نہ مرجھائے — اجاڑے ہیں چمن یہ خزاں کیسے کیسے

نصیبوں سے گھر بیٹھے آئے ہوئے جاں — کوئی مانتا ہوں میں ہاں کیسے کیسے
یہ چرخ کہن آہ چن چن کے مارا — تہ خاک ہیں نوجواں کیسے کیسے
قیامت کے مضمون ہیں لہراتے دل میں — صدف میں ہیں بحر رواں کیسے کیسے
میری ہم صفیری بھی ہے کچھ ٹیڑھی — ہیں غیب چپ ہی شیریں بیاں کیسے کیسے
مہ لالہ و شمع کے داغ دیکھو — جلے عشق سے دودماں کیسے کیسے
ہے کیوں وصف یوسف کے جو کارواں کا — جہاں سے گئے کارواں کیسے کیسے
الٰہی یہ کیا گردش آسماں ہے — جلانے لگے مہرباں کیسے کیسے
تمھوں سے بھی دیکھئے کیوں کمر کو — حجاب آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے
ہر اک شام چلتے ہیں تیر نگہ یاں — نکلتے ہیں ابرو کماں کیسے کیسے
چھوا تھا کچھ اک گھات انگئے گو ان کے — ہیں طوفاں اٹھے الاماں کیسے کیسے
ہیں قربان خدائی کے وہ بت جو پوچھے — ہیں ارمان دل میں نہاں کیسے کیسے
کروں مے سے توبہ میں استغفر اللہ — لئے عہد و پیماں مغاں کیسے کیسے
امینی ہے جبریل پر گرچہ قاصد — ہمیں ہو رہے ہیں گماں کیسے کیسے

نسیم ان کی بخشش بھی لاانتہا ہے
ہوئے جرم ہم سے عیاں کیسے کیسے

آئے ہو ابھی یہ بے کلی ہے — ساعت یہ نظر گھڑی گھڑی ہے
اے چاند ہوا اے نے کشتی ہے — مہتابی یہ آؤ چاندنی ہے
لٹکے ہیں لٹوں میں سینکڑوں سر — ہر مو میں تمہارے موہنی ہے
آنکھیں ہیں نشیلی سرخ لب ہیں — شاید تم نے شراب پی ہے
مر مر کے ہوا وصال حاصل — کیا جی میں تمہارے پھر آ جی ہے
کیوں کرتے ہیں چار سو تگ و دو — دو دن کے لئے یہ زندگی ہے
گنگھور گھٹا ہے آسمان پر — مے بھیجے لطف زندگی ہے

کالے سے ہے اُلجھی اور لے جاں
کاندھے پہ یہ کیا بلا چڑھی ہے

اس کو بڑے جن سے ہے بچانا
جو آگ سی روبرو دھری ہے

جُل دیکے کہا ہیں محتسب کو
شیشہ میں جو بند اک پری ہے

چڑیا بھی ہے آگ کا بگولا!
انگیا اے پری جو آتشی ہے

ہے شغل ہمارا آہ و نالہ
کیا کیجئے غم سے دل لگی ہے

مخمور نگہ نے تیر مارا
ہر زخم میں بو شراب کی ہے

دنداں ہیرے سے یار پیسو
یسین مجھے وقت جان کنی ہے

اُلٹا ہے زمانہ راست ہے بات
بدلہ نیکی کا یاں بدی ہے

لاؤ تشریف میرے صاحب
تسلیم و نیاز و بندگی ہے

کیا چاہ ذقن کنوئیں جھکائے
یوسف کی بھی روح باولی ہے

چڑیا انگیا کی اور تکمہ
بلبل کی چونچ میں کلی ہے

آئینۂ رخ پہ سایۂ زلف
کالوں کی حلب میں چھاؤنی ہے

آؤ کاٹو جلاؤ مجھ کو
کچھ دل میں اگر جلی کٹی ہے

فرمائے جو مانگا بوسۂ لب
میں نے نہیں پٹی یہ پڑھی ہے

سو آرزوؤں کا ہو گیا خوں
بسمل سے کہیں دعا پڑھی ہے

اللہ رے خزانۂ بلاغت
محتاج نسیم کا غنی ہے

شیریں لب پری سے ہے تلخی شراب کو
لیلیٰ کی زلف میں نہیں خوشبو کباب کی
جو سو لب پری جو ہوس ہو شراب کی
بوسہ گزک ہے آنے نہ دو بو کباب کی

زہد و ریا سے خوب ہے چوری شراب کی
لوں۔ نذر قافیوں سے رکابی کباب کی

کم کم نظر جو آتی ہے بوتل شراب کی
کھائی نظر مگر کسی خانہ خراب کی

خالی نہ کیوں لنڈھی رہے بوتل شراب کی
کیفیتیں دکھاتی ہیں آنکھیں جناب کی

مٹی میری بنی نہیں بھٹی شراب کی
اس دور چرخ نے مری مٹی خراب کی

دوکاں میں بوتلیں جو چنی ہیں شراب کی
ذرے میں روشنی ہے کئی آفتاب کی

ہے جب سے یاد زلف شہ بوتراب کی
آتی ہے مثل مشک مجھے بو شراب کی

کوثر پہ لہر آئے جو موج شراب کی
مالک سے مانگ لاؤں گا کشتی کباب کی

انگور تارے تاک فلک مہر و ماہ و جام
یارب زمیں تمام ہو دوکاں شراب کی

پی پی کے توڑے نوٹہ شیشہ مدام ہم
کیا رکھتے ہیں جو فکر کریں روز حساب کی

فعل حرام کے ہے مزے میں ملال بھی
ہے نفع سے زیادہ مضرت شراب کی

گولے ہیں تو پکے نہیں اولے فراق میں
دل فیل کی گولی ہے مجھے ہر بوند آب کی

آنچل اُلٹ کے کھول دو بندِ قبا بھی کچھ
یہ رات وصل کی ہے نہیں شب حجاب کی
ڈرتے ہیں روسیاہی سے کس دن سیاہ مست
ہوتی نہیں جوان کو حاجت خضاب کی
کس جوش پہ ہے ابرِ ساقی سے بحر مے
کٹتی ہے تیغ موج سے بوتل شراب کی
ساقی ملا دے پانی جو پینے کی شرط ہے
دریائے مے میں کافی ہے اک بوند آب کی
بجلی کی طرح خندۂ مینا ہے ساقیا
برسات ہوگی بزم میں اشک کباب کی
اس برق وش کی آنکھ جھپکتے ہی روتے ہیں
آنکھوں کے دو ڈورے اپنی رگیں ہیں سحاب کی
رویا میں دیکھنا بھی انہیں اک خیال ہے
عادت نہیں فراق میں عاشق کو خواب کی
تابِ رُخِ پری سے دہکتی ہے دل میں آگ
لاؤں لگا کے برف میں بوتل شراب کی
خنجر بھی ہو تو شوق سے رکھ لوں کلیجے میں
صورت تو دیکھ لوں مرے خط کے جواب کی
تم گمرہوں کو راستہ بتلائے جاؤ شیخ
بس ہیں ہدایتیں ہمیں اُمّ الکتاب کی
ٹوٹے نہاتے وقت نہ اک اُن کے سر کا بال
ناگن ہیں مجھ کو دشت میں لہریں سراب کی

غش میں کیوں رہوں تری مخمور چشم سے
شیشہ ہوا شراب کا بوتل گلاب کی

مضمون امنڈ آتے ہیں اس سبزہ خط کو دیکھ
میرے مزاج میں ہے طبیعت سحاب کی

طوفان کا ڈر نہ خوف ہے گرداب موج کا
لبریز ہو کے چلتی ہے کشتی شراب کی

بوے شراب ہم سے نکیرین سونگھ لو
مستوں میں کب ہے تاب سوال و جواب کی

کوٹھے پہ کیا حضور تھے چڑھتے دم سحر
صورت اتر گئے زرد ہے آج آفتاب کی

بھولا نہ اضطراب میں بھی یار کا دہن
اس لیے گلی میں پاس کلی ہے گلاب کی

میرا غبار کیا کہیں برباد ہو گیا
اے جان نہیں ہے تم کو ضرورت نقاب کی

سودائے چشم مست ہی کافی ہے اے مغاں
دے دے کے مول لیتے ہیں بوتل شراب کی

اے بحر حسن آپ کو زیبا ہے پہننے
آب رواں کی انگیا کٹوری گلاب کی

دیوار و در میں رخنے کئے تیر آہ سے
ہم نے ترے رقیب کی مٹی خراب کی

قاتل یہ ناتواں ہوں نہیں کہنے کو لہو
خواہش ہے تجھ کو ہولی کی اور کیا نشہ آب کی

مرجان دوں گا ساقی کو آئے تو وہ پری
یاقوت میں بناؤں گا پیالی شراب کی
آغاز مے کشی ہی میں نوبت ہے یہ نسیم
سونے سے تل کے بکتی ہے بوتل شراب کی

وہ آتے ہیں تو سنتے ہیں یہی طوطی ریحاں سے
ذرا دامن بچاتے جایئے گورِ غریباں سے
بپا ہو گی قیامت ہاتھ دوڑائیں گے ارماں سے
ذرا دامن بچاتے جایئے گورِ غریباں سے
رفو چکر ہوا وہ قتل کر تیغ گریباں سے
بہ رنگ چاک میرا ہاتھ جب چھوٹا نہ داماں سے
بڑھایا غش کو ہم نے وصل کی شب اور ارماں سے
وہ گھبرا کر ہوا دینے لگے جب اپنے داماں سے
انا الحق بولتے منصور ہی بن جائیں گے واعظ
ذری تلچھٹ جو پی جائیں خم بادہ پرستاں سے
دماغ اس حور کا نازک ہے محفل سے نہ اٹھ جائے
لے آسمان سب دم بھر کو ساقی باغ رضواں سے
یہ کب مسکایا لے بھرا دا شبنم کی انگیا کو
لرزتا ہے جگر مانند فوارے کے طوفاں سے
غضب کرتا ہے عاشق پر یہ غمزہ رقص میں کافر
دکھانا اور چھپانا مسکرا چھاتی کو داماں سے
خدا کا نام لو صاحب میں کب حمام میں آیا
خیال اپنا مگر لپٹا تمہارے جسم عریاں سے

مرے محبوب سے مجھ کو ملا نعلین کا صدقہ
دعا ہے رات دن اپنی یہی محبوب سبحاں سے

دلوں پر جان و ایماں پر بھی جادو ان کے چلتے ہیں
بچا لینا مجھے یا رب بتوں کی چشم فتاں سے

ابھی شوخی تھی غصہ تھا غضب کا ناز و غمزہ تھا
ہوا کیا تم کو اب جو منھ چھپا لیتے ہو داماں سے

نسیم اس رشک نے زہرہ کو اچھا ناچ نچوایا
غزل اپنی سنی تم نے جو اس ماہ خوش الحاں سے

پھر خیال گیسوئے شب فام ہے — شام سے پھر شدت سرسام ہے
مے ہیں عکس کاکل شب فام ہے — آفتاب روز ماہ شام ہے
چرخ گرداں کیا ہی نافر جام ہے — گردش سیارہ دور جام ہے
کوچہ گردی حج اکبر ہے مجھے — خاکساری جامۂ احرام ہے
جاگتی جوت آپ ہیں ہم کیا کریں — دل کو ہی روشن ہے جو کچھ کام ہے
چشم کی تشبیہ سے وہ جل گئے — مشعلوں میں روغن بادام ہے
خواب میں دیکھا اگر ان کا فرہ — کیوں نہ شک دیدۂ بادام ہے
قتل کرتی ہے جہاں کو بال ڈھال — وہ نہتے ہیں کہاں صمصام ہے
گھر میں رہ سکتا نہیں بے یار میں — گور کا صدمہ مجھے آرام ہے
وہ نہانے کا سبب سنواتے ہیں — کیجئے کیا گردش ایام ہے
ہجر کی شب ہے چلی آئے اجل — نقد جاں لے جا تجھے انعام ہے

شملہ والوں کی نہیں سنتا نسیم
لاابالی رند مے آشام ہے

رُخ نہاں ہے زلفِ رشکِ گل کے سائے کے تلے
آفتاب حشر ہے سنبل کے سائے کے تلے
گال اُن کا ہے کہاں کاکل کے سائے تلے
آفتاب حشر ہے سنبل کے سائے کے تلے
اے بتِ ظلِ خدا ہم سائے میں تیرے رہیں
پرورش بلبل ہو گل چین گل کے سائے کے تلے
عکس زلفِ یار سے انگیا کی بھی چمکی بہار
بیٹھی ہے چڑیا کوئی سنبل کے سائے کے تلے
گرمی خورشیدِ محشر سے اُسے کیا باک ہے
جو کھڑا ہو صاحبِ دلدل کے سائے کے تلے
زیر چشم یار گرمیِ نگہ سے ہے عرق
نقل کو گوہر ہیں جام مل کے سائے کے تلے
خط کی ہے بالیدگی زلف سیہ کے قرب میں
پلتے ہیں سنپولئے سنبل کے سائے کے تلے
اب کے گلشن میں نہیں خوف خزاں ہرگز نسیم
طفلِ غنچہ ہے ہر اک بلبل کے سائے کے تلے

جس روز سے وہ کافر تیرتھ کو سدھارا ہے
اک آنکھ مری جمنا اور دوسری گنگا ہے
اک کشتۂ لب کو بھی زندہ نہ کیا اب تک
دم دیتا ہے ہر ہر کو یہ کیسا مسیحا ہے
رہتا ہے سر گیسو قدموں پہ سدا اس کے
دیوانی ہے ناگن بھی کیا میرا کنھیا ہے

بیمار محبت کو اتنا بھی ستانا کیا
آنکھوں میں دم آیا ہے اور منہ میں کلیجا ہے

جب جو کہتے ہیں وہ آئے کہتا ہے یہی عالم
کیا بانکا سجیلا ہے کیا پیارا نکیلا ہے

خلوت سے نہ اٹھ جاؤ بدنام کریں گے سب
ہیں دودھ سے رخسارے ماتھے پہ پسینہ ہے

سُن کر یہ غزل اس نے فرمایا نسیم اتنا
تو عاشق شیدا ہے تو شاعر یکتا ہے

جنبش ابروے قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی
بلبل جاں مری بسمل کبھی ایسی تو نہ تھی

وعدۂ وصل کیا کس نے دیا دم کس نے
بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

اے شہ حسن رقیب آپ کا قادر نکلا
فوج عشاق کی بیدل کبھی ایسی تو نہ تھی

مہرباں آئے کدھر آج کدھر نکلا چاند
رشکِ افلاک یہ محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

وہ مہ نو مگر آیا کسی مہتابی پر
چاندنی اے مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

اپنے کاشانے سے کیوں غیر کے گھر ہو آئے
ماہ رو آپ کی منزل کبھی ایسی تو نہ تھی

کس طرح وصل ہوا اس گل زیبا سے نسیم
خوش نصیبی مجھے حاصل کبھی ایسی تو نہ تھی

لارڈ ڈفرن، وائسرائے ہند کی آمد آمد پر نسیم نے یہ نظم لکھی

لارڈ ڈفرن کی تزک سے جو سواری آئی — باغ مہیسور[1] میں اب باد بہاری آئی
شور ہوتا ہے ہزاروں میں جو ویلکم ویلکم — شاہد گل کی مگر آج عماری آئی
نائب قیصرۂ ہند کے تھے سب مشتاق — شکر للہ کہ بر امید ہماری آئی
اسپیشل گاڑی پہ ان کی جو دھواں آکے جمی — بوئے جاں تازہ کن مشک تتاری آئی

آج کیوں پھولے سماتے نہیں گلشن میں گلاب
کیا نسیم چمن فیض کی باری آئی

تیرے کوچے میں مجھے مثل گدا رہنے دے
قتل کر تیغ سے دروازے پہ پڑا رہنے دے
بند انگیا کا شب وصل کھلا رہنے دے
در فردوس کو اے حور تو وا رہنے دے
بعد مدت کے ملی سونے کی چڑیا مجھ کو
ہاتھ سینے پہ ترے اور ذرا رہنے دے
آج کل کی ہے سگ یار کی دعوت میں نے
استخواں کو تو ابھی دزدِ حنا رہنے دے
زلف میں پھنسنے کا لپکا ہے بلا کا اس کو
موذی دل سے خدا مجھ کو جدا رہنے دے
میں یہ کہتا نہیں گھر سے تو رقیبوں کو نکال
گوشۂ دل میں مجھے بھی کسی جا رہنے دے

---

[1] میسور

غش ہی آیا ہے کہ اب جان چلی جاتی ہے
سر کو میرے ترے زانو پہ دھرا رہنے دے

رحم کر بہرِ خدا مفت نہیں ملتی ہے
نقد ایماں تو ذرا دزدِ حنا رہنے دے

خط رخسار پہ کیوں زہر اگلتی ہے یوں
طول ہے قصہ ترا زلف رسا رہنے دے

جھومتی آتی ہے کیا ساقی نے جوڑا کھولا
بس بڑائی تری گھنگھور گھٹا رہنے دے

وصل میں ایک ہی بوسے پہ وہ کہتا ہے نسیمؔ
مجھ کو آرام سے بستر پہ پڑا رہنے دے

چاہیئے اتنا تو ارمان نکلنے کے لئے
وہ مناتے رہیں کروٹ کو بدلنے کے لئے

کیا غضب ہے کہ ابھی اٹھتے ہیں چلنے کے لئے
دل مرا بیٹھا ہے سو ہاتھ اچھلنے کے لئے

دور ہو، دور ہو پھر دور ہو دم تک ساقی
مے ہے پینے کے لئے جام ہے چلنے کے لئے

تارے گنتے ہوئے بیٹھے ہیں خدارا کوئی
اُن کو مہتابی پہ آنے دو ٹہلنے کے لئے

تیری آنکھوں پہ نہیں نرگس و آہو کو رشک
ہے صدف بھی کفِ افسوس کو ملنے کے لئے

جوڑ پروانے کا بنتا ہے تری شمع پہ دل
ساتھ گرنے کے لئے ساتھ ہی جلنے کے لئے

شام سے شکل گدا بیٹھے ہیں در پر عاشق
صبح ہوتی ہے وہاں مانگ نکلنے کے لئے

ایک بوسہ نہ ملا ہم کو تو اس نو خط کا
ہائے نائی نے مزے گال کو ملنے کے لئے

غیرت لیلیٰ و شیریں ہیں مرے قدر شناس
قیس و فرہاد ہیں اس رشک سے جلنے کے لئے

وصل کی شب میں ہے کیا مرغ موذن سے ڈر
میری چھاتی پہ ہے اک توپ بھی چلنے کے لئے

سرخی رخسار کی اور اس پہ سفیدی جبیں
دودھ کو آگ پہ رکھے ہیں اُبلنے کے لئے

کشتہ کس کا ہوں نکیرین ہیں کیوں مثل کلیم
شعلۂ طور سر گور ہے جلنے کے لئے

تھام لیتے ہیں گل اندام ہمیں ہم ان کو
کیا حویلی ہے فرنگی کی پھسلنے کے لئے

دوش و سینہ پہ کبھی زانو پہ ساقی کے تھا سر
کیا مزے نشے میں گر گر کے سنبھلنے کے لئے

آج کیوں پھولے سماتے نہیں گلشن میں نسیم
کوئی بلوائے ہیں گلگشت کو چلنے کے لئے

جفا کی تم نے اور ہم نے وفا کی
بتو پتھر ہو پھر قدرت خدا کی

ہمارے آہ و نالہ کو ہوا کیا
شکایت سنتے ہیں آب و ہوا کی

برائے حور و جنت شیخ و زاہد
خوشامد کرتے ہیں کیا کیا خدا کی

رقیب روسیہ کو تم کو دیکھو
حقیقت کچھ بھی ہے اس بے حیا کی

قیامت میں بھی ڈالو منہ پر آنچل — نظر لگ جائے گی تم کو خدا کی
پتا دِل کا خدا ہی سے ملے گا — شکن زلفوں میں ہے ان کی بلا کی

نسیمؔ بادہ کش کے گھر کو آئے
عنایت کی بہت تم نے دیا کی

نگاہِ یار اِدھر بار بار ہوتی ہے — خزاں کے وقت ہماری بہار ہوتی ہے
جہاں کی رونق و زینت نثار ہوتی ہے — بہارِ یار کے پھولوں کا ہار ہوتی ہے
لگائی کس نے یہ برچھی نگاہ کی یارب — نکلتی ہے نہ جگر سے نہ پار ہوتی ہے
ہرن کا نشۂ شوخی ہرن ہی بنتا ہے — جو آہو گیر کبھی چشم یار ہوتی ہے
منجموں سے نہ پوچھو نہ فال ہما دیکھو — شبِ وصال شبِ انتظار ہوتی ہے
فراق ابرو کے کیا زخم کم تھے اے ظالم — وصال میں بھی جو حائل کٹار ہوتی ہے
یہ جی میں آتا ہے واللہ جان پر کھیلوں — بتوں کے سینے میں کیسی ابھار ہوتی ہے
جنوں ہی ہوتا ہے ممسک کو بعد بربادی — تباہی آتی ہے وحشت سوار ہوتی ہے
ہے بھرے ہیں مری جیب بت بھر ماہی — علی الحساب بطرح شکار ہوتی ہے
وہ مانگتے ہیں غزل منہ چھپا کے آنچل سے — کبھی نگر سے نگہ بھی دوچار ہوتی ہے

فراقِ یار میں غم ہے کہ اندھا ہے نسیمؔ
شرابِ ناب مجھے زہر مار ہوتی ہے

وصلت دلدار نے مارا مجھے — تیر ہوا صبح کا تارا مجھے
وصل کے اقرار کی عادت نہیں — انکھڑیوں کا لبس ہے اِشارہ مجھے
ہوگئے دو اس نے نکالی جو مانگ — شانۂ گیسو ہوا آرا مجھے
لاؤں گا تم کو مرے انداز پر — گر ملے انداز تمہارا مجھے
دردِ سر زلف سے ہوں نیم جاں — زہر نہ ہو عنبر سارا مجھے

کوٹھے پہ نالوں نے چڑھایا اُسے
بام سے جب اس نے اتارا مجھے

چوٹی ہوا میں ان کے ہے کیا بانکپن
جھولے کا جن کو نہیں یارا مجھے

بلبل جنت ہیں فرشتے نہیں
قبر میں کس گل نے اتارا مجھے

خوف گنہ کچھ نہیں روزِ جزا
یا نبیؐ تیرا ہے سہارا مجھے

دشمن جاں کہنے دو مجھ کو نسیمؔ
خط میں تو لکھتے ہیں وہ پیارا مجھے

وحشت زلف بت بے پیر ہے
چشم آہو حلقۂ زنجیر ہے

آپ کا سیدھا رویہ تیر ہے
چال ٹیڑھی گر چلے شمشیر ہے

بدزبانوں کی وہی تعزیر ہے
جس جگہ پر شمع ہے گلگیر ہے

قتل نوخیزی میں کرتے ہیں مجھے
کیا مہ نو آپ کی شمشیر ہے

زرد سونا ہو گیا روپا سفید
خاکِ عاشق عشق میں اکسیر ہے

سیر صحرا تک جاتک اب ہے کہاں
آنکھیں پھوٹیں پاؤں میں زنجیر ہے

لینے کے دینے پڑے چلاؤں کیا
دھن کماں ابرو کی مجھ کو تیر ہے

یاد ابرو میں ادا کیا ہو نماز
قدس محراب حرم شمشیر ہے

یاں تو میں جامہ کے باہر ہو گیا
واں ابھی کچھ شرم دامن گیر ہے

جان اس مجنوں کی جاتی ہی نہیں
کیا اجل کے پاؤں میں زنجیر ہے

مر رہا ہوں اک بُت خاموش پر
صورت اپنی صورت تصویر ہے

خیر ہے کیوں بدمزہ ایسے ہیں آپ
روکھی پھیکی ہر گھڑی تقریر ہے

پاؤں میں بیمار کے باندھے ہیں بال
آنکھ سر میں سُرمے کی تحریر ہے

سرِ الفت ہے بتوں کی اے نسیمؔ
اِن دنوں میسور بھی کشمیر ہے

اس فصل بہاری میں ہیں ڈھنگ اپنے نرالے
ڈالے گا خدا ساقی گل رنگ کے پالے

ہے دشت بھی تنگ اور مجھے کون سنبھالے
لے جائیں گے دریا کی طرف آپ ہی نالے

عشق خط و مژگاں ہے یہ کیوں دیکھنے بھالے
ہم کرتے ہیں تصنیف تصوف کے رسالے

ہیں بار اگر جان تمہیں کان کے جھالے
بجلی کی چمک کیسی ہے کیا قہر ہیں بالے

کیا جانتے ہیں عشق فرشتوں کے فرشتے
یہ بار امانت کا ہے آدم کے حوالے

چشمِ مست کس سے ہے بیماری تو سنگین
یارب تجھے قدرت ہے مری جان بچالے

رخساروں پہ کیا خوب ہیں زلفیں تری الجھیں
کس رنگ سے مل مل کے ہیں یہ گورے یہ کالے

بجلی ہے گھٹائیں کہلے زلف میں جھالے
لیتے ہیں بلائیں تیری یا بال کے بالے

آئی ہے بہار اور کوئی مے نہ دے ساقی
تو پھول کے شیشوں ہی کو چن چن کے اٹھا لے

رہتے ہیں سر زلف جو قدموں پہ تمہارے
ان سانپوں نے کیا پیٹ سے ہیں پاؤں نکالے

یہ پھول جو پھولے ہیں عجب توبہ شکن ہیں
لو ساقی گلفام کے دو ہاتھ میں پیالے

نہلاؤں گا اے خضر تمہیں آب گہر سے
لے مجھ سے گلوری جو وہ دانتوں میں دبا لے
وہ دل وہ طبیعت وہ دماغ اپنا کہاں ہے
ممنون ہوں اس کا مجھے وحشی جو بنا لے
چھیڑوں گا نسیم اور ان لالہ رخوں کو!
پڑ جانے دو اب کے بھی مری جان کے لالے

مدحیہ

وحشی کی مدح میں

کیا کہئے کہ وہ وہاں نہیں ہے
کیا شکر کروں زباں نہیں ہے
ہو خضر کی عمر عمر ان کی
ایسا کوئی خوش بیاں نہیں ہے
جیتا ہوں تمہاری یاد رخ میں
خالی ہے جسم جاں نہیں ہے
پھر آئیے ادھر جناب وحشی
امید ہے پر گماں نہیں ہے
چھوڑوں گا نسیم اس زمیں کو
پر یار یہ آسماں نہیں ہے

ملے نت بھی وہاں ان کے جواب خط سے گر پہلے
تو قاصد گزشوارہ بھیج دینا تار پر پہلے
بلائے عشق ہے یارب کہ حسن فتنہ گر پہلے
ہوا ہے تخم پیدا یا جہاں میں ہے شجر پہلے

بڑا احساں ہے قاصد خط سے کہہ دے یہ اگر پہلے
جہاں جانا ہو جا کافر مگر ہو جا ادھر پہلے
کہیں آ آ کے جراحوں سے دیکھے ڈاکٹر پہلے
مے انگور سے دھوئیں مرے زخم جگر پہلے
ہمارے قتل کا بیڑہ تو خط ہی نے اٹھایا تھا
صف مژگاں نے ان کے کس لئے کس لی کمر پہلے
لبھانے عاشقوں کو ہی حسیں زیور پہنتے ہیں
کہ گل بھی عندلیبوں کو دکھا دیتے ہیں زر پہلے
بدولت عشق کی کیا کیا نہیں ذلت اٹھاتے ہیں
تلاش حسن بازاری سے کب تھے در بدر پہلے
بلائیں زلف کی لوں گا دہن کا مجھ کو بوسہ دو
مطول بعد پڑھ لوں گا پڑھا دو مختصر پہلے
ہماری چشم گریاں سے برسنا اس نے سیکھا ہے
بہت بے آبرو تھا یہ غریب ابر مطر پہلے
چلی جاتی ہے نعش اس نوجواں کی در پہ آ دیکھو
تمہارے گھر رہا کرتا تھا جس سے شور و شر پہلے
بہالے جائے گا تجھ کو غضب ہے اشک کا دریا
نکلوا دے تو اے قاتل ہمارے چشم تر پہلے
نہیں کچھ قدر نقد جان عاشق سیم ساقوں کو
برنگ گل وہ خنداں ہو جو کر لے جمع زر پہلے
زمانہ کیا بدل جاتا ہے دیکھو چشم عبرت سے
بنے ہیں وہ امیر اب تھے جو پھرتے دربدر پہلے

ہمارے خوں کا یہ دھبا رہے گا تیرے دامن پر
نہ پوچھا تو نے اے قاتل کٹایا کس نے سر پہلے

لبھانا عاشقوں کو یاد کب تھا کب تھی رسوائی
پھرا کرتے تھے تم اے جانِ جاں کب یوں سنو پہلے

قفس خالی جو دیکھے گا کرے گا یاد نغموں کو
رہا مجھ کو کر اے صیاد تو بھی سوچ کر پہلے

میرے صیاد کو ڈر ہے کہاں تک میرے اڑنے کا
قفس میں ذبح کرتا ہے پروں کو نوچ کر پہلے

درِ شہوار کیا کرتا ہے دعویٰ ان کے دنداں سے
ذرا صورت تو دیکھے آئینے میں بدگہر پہلے

مرے قاصد انہیں تو یوں ہی دم دے دے کے لے آنا
نسیمؔ اب پاک دل ہیں ہاں مگر تھے بدنظر پہلے

جبرئیل آپ کا کبوتر ہے — میرا ہادی مرا پیمبر ہے
سر میں چکر ہے پاؤں میں چکر ہے — عشق میں ہوں کیا سراپا چکر ہے
صندلی رنگ کا اگر سر ہے — درد سر کا ہے جان کا ڈر ہے
بوسے لینے دو دم لبوں پر ہے — آؤ نزدیک دل مکدر ہے
گو رہیں اپنے پاؤں لٹکے ہیں — آستانے پر یار کے سر ہے
ساقی و باغ و ابر و آب رواں — در جنوں سے شراب احمر ہے
قاصداں کی نہیں ہے کچھ حاجت — پان چبانے سے بوسہ بہتر ہے
رات حیلوں میں کاٹتے ہو تم — توبہ جل جانے کا مجھے ڈر ہے
اسی کو دولت کہوں کہ یا معراج — یار کے پاؤں پر مرا سر ہے
ایک بوسہ پہ جان دیتا ہوں — لوٹتے ہیں وہ ذات کا ڈر ہے

اُن کے دیوانے ہیں پری پیکر — جن کو دیواں ہمارا ازبر ہے
کیا پری زاد زر کی دختر ہے — کیسی شعلہ ہے کیسی اختر ہے
کشتۂ مار موج بادہ ہوں — قلقل مینا میرا منتر ہے
دل میں آنکھوں میں میرے رہتے ہو — کالے کوسوں بتاتے ہو گھر ہے
دونوں عالم ہوئے رفو چکر — اچھے ناکے پہ یار کا گھر ہے
اُن کے سونے سے کچھ گرافشاں — تختِ طاؤس میرا بستر ہے
بوجھ اٹھتا نہیں نزاکت کا — ناز و انداز ان کا زیور ہے
شاہ چین بانکا ہے گیسو کا — مشک بندہ غلام عنبر ہے

پوچھتے پھرتے ہیں نسیمؔ حسیں
بانکے نواب کا کدھر گھر ہے

منائیں کیوں کر میں اس پری کو غضب بھبھوکا بنا ہوا ہے
چڑھی ہے تیوری نظر سے خونی مژہ کا خنجر کھنچا ہوا ہے
غضب ہے کیوں رحم ہو زیادہ ستم سے کیوں مہر ہو زیادہ
خدا کا لے نام تو اے بندے کہیں صنم بھی خدا ہوا ہے
گرے ہیں پریوں کے تخت ٹوٹے گھٹا ہے گھنگھور بادلوں سے
چمن ہے سبزہ ہے بخت جاگے ہر ایک دریا چڑھا ہوا ہے
اب اُن کو دُھن گھر کو جانے کی ہے اُمید کب اور آنے کی ہے
نگہ میں شوخی زمانے کی ہے جبیں پہ آنچل پڑا ہوا ہے
دلوں میں الفت نہ مہربانی نہ بو وفا کی نہ قدر دانی
یہ دوڑ دھوپ اور جاں فشانی نسیمؔ صاحب کو کیا ہوا ہے

کیوں بے گناہ آپ کی چتون بدل گئی
بگڑا ہے دل کہ آنکھ کی پتلی بدل گئی
جینا محال ہے تری فرقت میں اے صنم
واللہ مرتے مرتے مری جان سنبھل گئی
عاشق ہوں زلف کا میں گنہ کیجئے معاف
گر کچھ خطا کی بات زباں سے نکل گئی
آسیب ہے یہ سورۂ جن حاملو پڑھو
شیشہ لہو اُگلتا ہے گردن کبھی ڈھل گئی
ہر شب وصال رشک قمر چاہیئے مجھے
کس کام کی یہ چاندنی آج آئی کل گئی
اژدر نہیں کہوں تو اُسے کیا بلا کہوں
جیتا ہی مجھ کو زلف تمہاری نگل گئی
پیدا ہوئی ہوس اسے سونے میرے پاس
جس سیم تن کے کان تک اپنی غزل گئی
کھیلا یہ جان پر میں شب وصل یار میں
پروانہ پر سمیٹ لیا شمع جل گئی
نازک کمر سے بار نہ اٹھا شب وصال
چلا کے بولے چھوڑو مری ناف ٹل گئی
کھٹکا جو در ہوا اسے شب وصل وہ کہا
رخصت ہو اے نسیم سحر توپ چل گئی

شمع رو مجھ کو گلایا یا جلایا چاہیئے
یا پتنگ آسا ہوا ہی پر اڑا یا چاہیئے

مسکراتے باغ میں اے جان آیا چاہیئے
چٹکیوں میں غنچہ و گل کو اڑایا چاہیئے
خون روتا ہوں تمہیں مہندی لگایا چاہیئے
جان پر ہی تم اجی لاکھا جمایا چاہیئے
جائے پتلی ان کو آنکھوں میں بٹھایا چاہیئے
کوچۂ دل میں تماشا گھر بنایا چاہیئے
وصل کی شب کب تلک فقرے سنایا چاہیئے
صبح کا انداز ہے مطلب بر آیا چاہیئے
جان بھی جائے۔میں جانے ہی نہ دونگا رات بھر
شوق سے تڑکے ہی میری جاں جایا چاہیئے
جار قل شیشے کو سکھلا دیجئے پیر مغاں
طوطی مے کو بھی جام جم پڑھایا چاہیئے
شیشۂ پرندۂ مے بندق سے کچھ کم نہیں
کاگ سے گولی بط مے کو لگایا چاہیئے
جانِ جاں عاشق کے آنسو آستیں سے پونچھئے
موتیا کے پھول میں کرتی بسایا چاہیئے
سنگ یا خورشید ہے صابون مہ سے کم نہیں
آبِ کوثر سے پری پیکر نہایا چاہیئے
آفتاب بادۂ وصل پری اس میں نہیں
شیشۂ گردوں کو ٹھوکر سے لنڈھایا چاہیئے
اپنے گورستاں سے جب گذرے وہ شوخ فتنہ گر
حشر ہے نزدیک تب زاہد سنایا چاہیئے

خون کی شہرت اڑ گئی ہے کس کو مارا آپ نے
اے پری ہاتھوں کو اب مہندی لگایا چاہیے
لٹ کے لٹ کے مر چلے شاگرد زلف استاد جی
الٹی بٹی ہی ہمیں کچھ تو پڑھایا چاہیے
نرم کب ہوتے ہیں نالوں سے بتانِ سنگدل
تیرے بندوں کو مدد تیری خدایا چاہیے
بت کے بندے ہوں کہ دیوانے ہوں پریوں کے نسیم
جن سے لگ کے چلتا ہے دل ان سے لگایا چاہیے

جو نیلے گھوڑے پہ چڑھ وہ جواں نکلتا ہے
یہ دھول اڑاتی ہے گردوں کا نیل ڈھلتا ہے
پسینہ ابرو سے ان کے کہاں نکلتا ہے
گلاب جوہر خنجر ہو صاف ڈھلتا ہے
فراق دیوے نہ دشمن کو بھی خدا اے دوست
نہ یاد جاتی ہے دل سے نہ دم نکلتا ہے
تو بے معاش مرے گا جوار ترسا میں
رقیب کیوں مری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے
اٹک چلے تو چلاتا ہوں دل کو میں سرِ تک
جناب رخ پہ تو پائے نظر پھسلتا ہے
تمہاری زلف کے سودائی کی ہے خوب غذا
نکل کے دشت سے سنپولے لے آ نگلتا ہے
فلک کہیں نہ تجھے کیوں کر آفتاب پرست
کہ تو بھی رنگ تو ہر با نمط بدلتا ہے

دوا دوش یہ عبث ہے نہ لائیو تریاق
تمہاری زلف کا کاٹا کہیں سنبھلتا ہے
یہ میں نے باندھا ہے مضمون شمع روئے بتاں
جو کوئی دزد سخن دیکھتا ہے جلتا ہے
اگر نہیں ہے اسے مار زلف کا سودا
نسیم کاہکو قے کے سم اگلتا ہے

دل خار خار غم سے ہے اس گل عذار کے
آئی خزاں چمن میں نسیم بہار کے
یہ سرخ رو ہیں وصف سے ابروے یار کے
گویا فرنگ لے لئے تلوار مار کے
آثار ان کے رخ پہ ہیں جب سے غبار کے
ہے مہر یا نی یا عرق سے بخار کے
کوٹھے پہ گر چڑھے وہ بت برہمن کبھی
جوڑوں گا ہاتھ پاؤں سے جوتا اتار کے
کیا پھول غش میں ہیں ترے گالوں کو دیکھ کر
شبنم جگائی منہ پہ جو پانی کو مار کے
کیا پھل ہے تیغ کے نہیں کاٹا گلا مرا
انگڑائی تم جو لیتے ہو چھاتی ابھار کے
وحشت میں بھی ہے ڈر مجھے افشائے راز کا
پھرتا ہوں جنگلوں میں بہانے شکار کے
ڈسوا کے ناگ پوچھئے سم ہے کہ یا نہیں
جو لوگ دودھ ڈالتے ہیں ناگ مار کے

آئے نہ کچھ بلا دلِ حیراں کو مار کر
آئینہ دیکھتے ہیں وہ گیسو سنوار کے

لینا بلائیں زلف کی میرا وہ کس طرح
غش وصل میں وہ ہونا ترا چیخ مار کے

گذری تمام عمر وہ لکھتے یہی جواب
تھوڑے ہیں دن تمہارے ابھی انتظار کے

فرقت میں فکرِ شعر نہیں خوب اے نسیمؔ
جھونکے خزاں کے بنتے ہیں مضموں بہار کے

عشق اس بُت سے ہو اور دل میں یہ ارماں رہے
یاد اللہ کی رہے خیر سے ایماں رہے

جب تک اس دہر میں قائم ترا قرآن رہے
حفظ ہر بُت کو الٰہی مرا دیوان رہے

گال سے گال ملے سینہ سے سینہ مِل جائے
میرے بازو سے تری زلف پریشاں رہے

میں نہیں کہتا نہ جانا کبھی گھر سے باہر
شوق سے جایئے پر میرا بھی کچھ دھیان رہے

قحط سالی کا نہیں خوف مجھے کچھ نجی ولا
مے کی بھٹی رہے ساقی تری دوکان رہے

ناتوانی مری حد سے نہ گزر جائے کہیں
بوسے پر بوسے میں لوں اور وہ انجان رہے

کھاتے پیتے رہے دُنیا میں نہ کی یادِ خدا
نہ تو حیوان رہے ہم نہ تو انسان رہے

وصل میں تم کو نہیں سوجھتا کچھ بھی اے نسیم
خاصدانوں میں چھپائے ہوئے منہ پان رہے

برائے وصل در پر یار کے دیوانہ بیٹھا ہے
نظر مغرب پہ ہے فانوس پر پروانہ بیٹھا ہے
ہجوم داغ ہے کیوں آئے ذکر غیر بے کھٹکے
ہمارے کوچۂ دل میں ہر اک تھانہ بیٹھا ہے
پریشانی دل صد چاک کی اب وہ سنے کیوں کر
جمائے دانت کافر گیسوؤں میں شانہ بیٹھا ہے
اگر دیر و حرم بہہ جائیں آنسو سے نہیں خطرہ
نہ اٹھے یہ کبھی طوفاں کوئی مے خانہ بیٹھا ہے
نسیم بادہ کش کو کچھ نہیں پروا تری حاسد
غزل پڑھتا ہوا گلشن میں وہ مستانہ بیٹھا ہے

دوغزلہ

عاشق ہوئے کسی پہ طبیعت بدل گئی
کیا معرفت ملی کہ حقیقت بدل گئی
زہرہ وشوں کے عشق سے بچتا نہیں کوئی
کیا آدمی فرشتوں کی نیت بدل گئی
بازار مصر میں جو وہ بھولے سے آ گئے
ٹھہری ہوئی عزیز کی قیمت بدل گئی
بوتل سے کاگ اڑتے ہی توبہ کا قتل ہوا
بدلی کو دیکھتے ہی طبیعت بدل گئی
کیسی ہوا چلی یہ الٰہی نہ ملنے میں
اس گل کی بات چیت میں وہ رنگت بدل گئی
اس عشق کا برا ہو ہمیں کیا بنا دیا
کہتے ہیں وہ نکل تری صورت بدل گئی
گلگشت کو چمن میں جو وہ نازنیں گیا
بلبل سے گل نسیم سے نکہت بدل گئی

اس گل کی دو ہی دن میں طبیعت بدل گئی
کیسی ہوائے باغ سے رنگت بدل گئی

چرخ کہن کے دور کی کیا گت بدل گئی
اس زہرہ وش کی ہم سے جو الفت بدل گئی

جھونکے میں اک ہوا کے خزاں ہو گئی بہار
دم بھر میں کیا زمانے کی رنگت بدل گئی

کچھ دوستی کا آپ نے رشتہ نہیں رکھا
وہ ربط وہ کلام وہ صحبت بدل گئی

مسجد کو جا کے آپ نے یہ کیا غضب کیا
واعظ کی آنکھ شیخ کی نیّت بدل گئی

یہ ناتواں ہوں طوق گلو بنٹ گیا مجھے
ان سے انگوٹھی جو دم رخصت بدل گئی

بن جاؤں گا سبھی میں سلیمان اے پری
انگشتری اگر پے وصلت بدل گئی

برسات ہے نہ ابر نہ ہے دور رے نسیمؔ
کیا پیر مے پرست کی نیّت بدل گئی

آنکھ اس گل سے لڑائی میں نے آسان جان کے
کیا کروں یا رب میں اب لالے پڑے ہیں جان کے

کچھ سنو بہر خدا اس بے وطن کی بات بھی
کیا بنو جھڑ جائیں گے موتی تمہارے کان کے

کیا کہیں تیغ نگاہ کافر سفاک نے
دین کے ٹکڑے کئے پرزے کئے ایمان کے

آپ کی انگیا کی چڑیا کچھ نظر آتی نہیں
اڑ گئے طوطے ہمارے ہاتھ سے اوسان کے

ہم سے گر ملتے نہیں پھر اور کب ملتے ہو تم
اے صنم دن تو یہی ہیں آرزو ارمان کے

ہے غضب کی بات کچھ منہ سے نہیں نکلا سخن
دل میں وہ شرما گئے مطلب مرا پہچان کے

نون کا اعلان ابھی ہو جائے گا صنعت نسیمؔ
یہ غزل ہے واسطے اک یار خوش الحان کے

مسیح ہے مرا ساقی مجھے شفا ہو جائے
دوا کے ساتھ برانڈی کا بدرقا ہو جائے

پیالے ساغر و مینا و کاسہ اور کوزے
خم شراب ہی ساقی مجھے عطا ہو جائے

ستارے سونے کے ہم دن کرتے جائیں گے
جو مہربان کسی شب وہ مہ لقا ہو جائے

الٰہی پاس رہے یار میری زیست تلک
الگ ہو تن سے مری جان وہ جدا ہو جائے

نسیمؔ اپنی سفارش نہ ہو وہاں ہرگز
منا ہی لوں گا اگر مجھ سے وہ خفا ہو جائے

بنایا رام ہم نے ان بتوں کو جاں گدازی سے
شہاب آہ سوزاں کم نہیں کچھ تیر غازی سے

اڑے گر طائر جاں بھی تمہاری بے نیازی سے
نہ باز آؤں گا ہرگز اے بتو میں عشق بازی سے

محبت میں کریں کیا ہم سے ہوتے ہیں گنہ کیسے
رقیب اپنا خدا ہے عشق محبوب مجازی سے

ہمارا صبر کہتے ہیں دہانِ تنگ کو شاعر
تری چوٹی کو نسبت ہے شب غم کی درازی سے

یہ کیوں کر نزدباں ہو گا حقیقت کا خدا جانے
فرشتے گر پڑے جا ہوں میں اس عشق مجازی سے

پیامِ وصل سنتے ہی غضب کے زاگ لاتے ہیں
ہمارا ناک میں دم ہے بتوں کی حیلہ سازی سے

عرب کے جانور کو بھی شرافت دی ہے خالق نے
نہیں عمدہ کوئی گھوڑا جہاں میں اسپ تازی سے

گھرا ہے ناخدا اے دل مرا طوفان میں آنسو کے
خدا ہی پار اتارے عشق محبوب حجازی سے

کرو کچھ اور کوتہ آستیں انگیا کی زینت ہے
ذرا دامن اٹھا لو اے پری دامن درازی سے

کسی زاہد پسر کے چشم کی ہے دل میں کیفیت
مزا دیتا ہے جام مے مجھے دست نمازی سے

وہ دل میں کانپتے ہیں جو رکھتے ہیں نخوت کی
کہ ہو جاتا ہے فوارے کو لرزہ سرفرازی سے

مجھے امید ہے میرا سندیسہ کبھی سنو گے تم
عنایت سے کرم سے اے بتو بندہ نوازی سے

زلیخا کی روش دل باختہ ہے لیلیٰ و شیریں
نہ ہو دامانِ یوسف یار کا دامن درازی سے

جو نکلے کھیلنے کو ہم تو کھیلے جان پر پہلے
نہیں اچھی کوئی بازی جہاں میں عشق بازی سے

نسیمؔ بادہ کش جو ہر ہے اپنا الفت ابرو!
جدا ہوتی نہیں تلوار دم بھر مرد غازی سے

نگہ بدلی ہے مہوش یا بلائے آسمانی ہے
ستارہ میری قسمت کا تمہاری مہربانی ہے
پیمبر نامہ بر ہے خط کتاب آسمانی ہے
شمال وحی مجھ کو ان کا پیغام زبانی ہے
گھٹا کیا چھائے مجھ کو یاد زلف یار جانی ہے
گلستاں جیل خانہ ہے برانڈی کالا پانی ہے
یہ کم پلوا جھکاتا ہے تو کیا فتنے کا بانی ہے
مے گلرنگ ہے ساقی کہ یہ سونے کا پانی ہے
یہی اے نامہ بر میرے مسیحا کی نشانی ہے
لب جاں بخش مے گوں ہیں زباں ہندوستانی ہے
ادھر بھی آؤ اک دن راہ بھولے سیر کو نکلے
عنایت ہے کرم ہے بندہ پرور مہربانی ہے
دل ناداں کا کچھ کام اس پری سے آج نکلے گا
کہ پاجامہ ہے کمخوابی قمیص کامدانی ہے
ہمیں کیا کرتے ہیں وہ انگیا کے مضموں سے
مگر مد نظر ان روزوں چڑیا کی کہانی ہے
ضرر کو باطن باعث روزی سمجھتے ہیں
جو نابینا ہو لڑکا سائلوں کی شادمانی ہے
دل عاشق کو آتی ہے خبر معشوق کی ہر دم
رگ جاں تار باقی آہ گردون دخانی ہے

ترے چشم و لبوں کے ہجر میں خون جگر اور دل
کباب نرگسی ہے اور شراب ارغوانی ہے
ہمارے زخم دل میں التیام و خندہ ہر دو ہیں
عمامہ ان کا زنگاری دوشالہ زعفرانی ہے
بحمداللہ شکر حاصل ہے نسیم اور چاہتے ہو کیا
مے و نہر و گل و گلزار ہے عہد جوانی ہے

پیام دل کو مرے دل سے ہیں جو پائے ہوئے
وہ گھر میں شرم سے بیٹھے ہیں منہ چھپائے ہوئے
نہ آیا نام بھی مسی کا لعل لب کے قریب
نہ دیکھا کوئی کبھی ان کو پان کھائے ہوئے
وہ گورے گورے ہیں اٹھتی ہوئی جوانی ہے
ہیں ابھری چھاتیاں پتھر کا دل بنائے ہوئے
چراؤ ہم سے نہ آنکھیں غضب کے عاشق ہیں
رہو تم اور سے لے جاں نظر ملائے ہوئے
اک آہو چشم کے شوق شکار میں دن رات
نسیم بیٹھے ہیں دام نگہ بچھائے ہوئے

مناجات

اے مالک ارض و سما مدد دے للہ مدد دے للہ مدد دے
اے باعث صبح و مسا مدد دے للہ مدد دے للہ مدد دے

اے نبی جبیبِ خدا مددے للّٰہ مددے للّٰہ مددے
اے شفیع روزِ جزا مددے للّٰہ مددے للّٰہ مددے

کچھ زادِ رہِ دیں پاس نہیں نزدیک کسی کے آس نہیں
اے صاحب جود و عطا مددے للّٰہ مددے للّٰہ مددے

ہوں وادیٔ عصیاں میں گرداں رستہ ہی نہیں جاؤں میں کہاں
اے ہادیٔ راہ ہدا مددے للّٰہ مددے للّٰہ مددے

کتنے ہیں بہت حساد و حسد دیتے ہیں مجھے ایذا بے حد
اے صاحب تاج و لوا مددے للّٰہ مددے، للّٰہ مددے

جب نزع کا وقت آوے اپنا کلمہ ہو زباں سے صاف ادا
اے صاحب حکم قضا مددے للّٰہ مددے للّٰہ مددے

دل زار ہوی آتش تجھ سے مچھلی کے شکم میں یونس تھے
اے انور جل و علا مددے للّٰہ مددے للّٰہ مددے

ہے خضر بھی تیرا ہی پیاسا خورشید ہے تشنہ صبح و مسا
اے چشمۂ لطف خدا مددے للّٰہ مدد للّٰہ مددے

ہوں درد فرقت سے غمگین بے لطف ہے تن میں جاں حزیں
اے روح نسیم و صبا مدد دے للّٰہ مددے للّٰہ مددے

نعت

دل پروانہ وہاں لطف خدا ہوتا ہے ۔ جس جگہ نور نبیؐ جلوہ نما ہوتا ہے
لف احمدؐ سی کہاں زلف یہ ہی ہاں اے دل ۔ بیٹھے بیٹھے تو گرفتار بلا ہوتا ہے
شہنشاہ دو عالم ہیں وہ گیتی افروز ۔ شمع پر آپ کے پروانہ ہما ہوتا ہے
یہ ملتا ہے اسے دیکھ خلیل رب کا ۔ جو کہ قربانیٔ شاہ دوسرا ہوتا ہے

ملتجی ہو جو کوئی پڑھ کے تضرع سے درود — خالی اس کا بھی کہیں دستِ دعا ہوتا ہے
کشتۂ نعلین مبارک کا ہوں میں اے مانی — خاکہ تصویر کا نقشِ کفِ پا ہوتا ہے
یہ اطاعت ہے ہماری کہ ہے طاعت رب کی — حکم ہے آپ کا یا حکمِ خدا ہوتا ہے
خاکِ یثرب سے مرا جسم بنا دے یارب — جی مرے تن سے کبھی اب دم میں جدا ہو

زلفِ احمدؐ کا جو مضمون تجھے ملتا ہے نسیم
طائرِ سدرہ تلک رشتہ بپا ہوتا ہے

نعت

نزع میں یاد مجھے کس کی ادا آتی ہے
جامِ کوثر لیے ہاتھوں میں قضا آتی ہے

نہ نماز آتی ہے مجھ کو نہ دعا آتی ہے
یا محمدؐ کی مگر دل سے صدا آتی ہے

بادۂ عشقِ محمدؐ کی ہے تب کیفیت
جب عرب گھوم کے گھنگور گھٹا آتی ہے

دل کے ناسور کو میرے نہ لگاؤ مرہم
اس دریچے سے مدینہ کی ہوا آتی ہے

شبِ معراج مسیحا نے کہا آتے ہیں کون
با ادب کی جو ملائک سے ندا آتی ہے

اُن کے انداز پہ کیونکر نہ فدا ہو عالم
ناز پریوں کو نہ حوروں کو ادا آتی ہے

عاشقِ گیسوئے احمدؐ ہوں میں رضواں بجناں
زلفِ حوراں کے لئے میری بلا آتی ہے

یہ اشارہ ہے کہ ہو ذکر امام دوسرا
بن کے تسبیح کہاں خاک شفا آتی ہے

تیغ بیداد سے کون ایسا ہے نوشاہ شہید
کربلا میں جو ابھی بوئے حنا آتی ہے

جسم بے جان میں عشاق کے دم پھرتا ہے
ہو کے یثرب سے جو ادھر بادِ صبا آتی ہے

ہیں وہ شیطان جو منکر ہیں شفاعت کے تری
جن کو ایماں نہیں کب ان کو حیا آتی ہے

اتنا ریحاں نہیں لاتی ہے مدینے سے کبھی
ہاتھ خالی نہ تو اے بادِ صبا آتی ہے

چمن خلد بریں کی یہ صبا ہے کہ نسیم
جان تازہ ہے کہ یثرب سے ہوا آتی ہے

حکم کرتے ہیں یہی وہ کہ پڑھے جاؤ درود
جن کو بیماریٔ عصیاں کی دوا آتی ہے

شکر للہ کہ ہے مقبول مرا شعر نسیم
کیوں غزل سننے کو اک خلق خدا آتی ہے

مدحیہ

مسیحا لب یہ قربان ہو گا محبوب سبحانی
جو زندہ تم سے بے جاں ہو گیا محبوب سبحانی

جو مفتوں ہو کر شیشے پر تمہارے اور دیوانہ
خدا اس کا نگہباں ہو گیا محبوب سبحانی

گل عارض کی یاد آئی گئی کاوش کدورت کی
یہ خارستاں گلستاں ہوگیا محبوب سبحانی

خیال ابروئے رشکِ کماں ہیں سر ہوا جب خم
مثال مہ گریباں ہوگیا محبوب سبحانی

جو دیکھا جلوۂ رخسار تاباں چرخ چارم سے
سہا سا وہ درخشاں ہوگیا محبوب سبحانی

مگر دیکھا صفائی عارضِ روشن کے جلوے کو
یہ آئینہ جو حیراں ہوگیا محبوب سبحانی

نسیم جاں فزائے خلق کی مدحت سرائی ہے
مرا گھر باغ رضواں ہوگیا محبوب سبحانی

مرثیہ

پیاس سے مانگتے ہیں ساقیٔ کوثر پانی — مجرئی شرم سے ہو جاتے ہیں خنجر پانی
مجرئی جو نہ ہوا شہ کو میسر پانی — چھپ گیا خاک میں نظروں سے گر کر پانی
غمِ شبیر میں جو آنکھ سے آنسو نکلے — رشک سے سیپ میں ہو جاتے ہیں گوہر پانی
شہ نے فرمایا کہ وہ رکھتا ہوں قدرت ظالم — میں جو چاہوں ابھی ہو جائیں گے اختر پانی
سیپ ہائے پنجۂ مرجاں میں ہر اک کاسہ آب — دامنِ موج میں لائے گا سمندر پانی
نہر جنت کی اسی دشت میں جاری کردوں — حوض کوثر ہی اٹھا لائے گا سر پر پانی
آبروئے لعل و زمرد کی فقط آب سے ہے — یہ وہ غم ہے کہ ہو جاتے ہیں پتھر پانی
خوں جگر ننھے سے لاشے کو کہا بانو نے — اٹھ اک گھونٹ پیو اے مرے اصغر پانی
مثل غربال ہوا حضرت عباس کا دل — چھد کے مشکیزہ نکل آیا جو باہر پانی
بے قراری جو ہوئی پیاس سے شہ کو رن میں — مثل سیماب تھا ہر جا میں مضطر پانی

نار ہو خاک سمجھ یہ ہو چلے تم پہ سموم / چشم تر چاہتے ہیں مسبط بہمر پانی

فاطمہ کہتی تھی حورو یہ پہیلی بوجھو / نہ پیا مر گئے وہ کون بہتر پانی

کس قدر سخت زمیں تم نے نکالی ہے نسیم
تھک کے رہ جاتے ہیں پی پی کے سخنور پانی

مردم تمہاری آنکھ سے بیمار ہو گئے / دے دے دوا مسیح ابھی بیزار ہو گئے

وہ صبح کو بھی رہنے کو تیار ہو گئے / یاور ہمارے طالع بیدار ہو گئے

کیسی ہوا چلی کہ ہم اغیار ہو گئے / اغیار یار آپ کے سب یار ہو گئے

کیا گل عذار ناز سے گلزار ہو گئے / آنکھوں میں بلبلوں کے جو گل خوار ہو گئے

آنچل سنبھالا تم نے ہے ہوش اڑ گئے / سمجھا میں یہ کہ اڑنے کو تیار ہو گئے

پھرتے ہیں مارے مارے کسی زلف کے لئے / ہم کیا خطا سے چین بھی تاتار ہو گئے

قاضی کی کون سنتا ہے پیر مغاں کے ساتھ / پیماں و قول کاغذ و اقرار ہو گئے

سیدھے جو ہیں تو تیر ہیں ٹیڑھے ہوئے تو تیغ / سمجھا تھا یار جن کو وہ خوں خوار ہو گئے

حق پر جو مرتے ہیں تو منصور ہیں ہمی / منصور چڑھ کے سولی پہ سردار ہو گئے

آئیں نہ یاد آہ مری جاں فشانیاں / باتوں ہی میں رقیب کے تم یار ہو گئے

تصویر کو ہی لیتے ہیں یوسف کے مول سے / رشک زلیخا ان کے خریدار ہو گئے

چوٹی دکھائی اس نے اک پیچ زلف کا / ہم ان کی چال یہ ہی گرفتار ہو گئے

آنچل سرکنا چھاتی سے کچھ بے سبب نہیں / ہم کبھی تمہارے محرم اسرار ہو گئے

تم جو تلیں اڑاؤ تو حوروں سے بے قصور / ہم یار سے ملیں تو گنہ گار ہو گئے

پہلو سے یار لب سے پیالہ لگے رہیں / کیا لطف وصل ہر دو جو سرشار ہو گئے

پہنچی غزل جو کان تک اس بحر ناز کے / مضمون اپنے سب در شہوار ہو گئے

گستاخیاں ہی کرتا ہے اس دل کو کیا کروں / پھر کل نہ آئیں گے وہ جو بیزار ہو گئے

آنکھیں نہ شور حشر سے کھولیں نسیم نے
بوتل سے کاگ اڑتے ہی بیدار ہو گئے

تم تمہاری آنکھ سے بیمار رہ گئے — سودائی گیسوؤں کے گرفتار رہ گئے

آنے کی یاد ہے وہ گئے کب خبر نہیں — حیران ہم تو صورت دیوار رہ گئے

اشکوں کا ساتھ درد و الم نے نہیں دیا — مارے گئے سپاہ یہ سردار رہ گئے

صحت ہوئی بھی نرگس بیمار یار کو — بیمار چشم یار کے بیمار رہ گئے

کیا دوش اپنے اپنے رقیبوں کو دیجئے — نازک میاں تھی تول کے تلوار رہ گئے

نکلا نہ ہم صفیر مرا باغ دہر میں — مرغ چمن بھی کھول کے منقار رہ گئے

بوسہ لیا جو میں نے مکرر ہوئے وہ گرم — جانے کو تھے مگر پئے تکرار رہ گئے

مثل نسیم وہ تو سحر سے نکل گئے — بستر پہ میرے ٹوٹے ہوئے ہار رہ گئے

ان کی فرقت کھٹکتی ہے جنت میں بھی نسیم
ہے ہے مرے کلیجے میں کیا خار رہ گئے

آنکھوں میں اُن کے سرمۂ دنبالہ دار ہے
اک تیر نیم کش مرے سینے کے پار ہے

آنکھوں میں اُن کے غصہ ہے اور دل میں پیار ہے
کیا موسم خزاں میں ہماری بہار ہے

زیب گلو جو رقص میں پھولوں کا ہار ہے
زہرہ ہے منطقے میں کہ نصف النہار ہے

لیلیٰ وشوں کا بعد فنا انتظار ہے
ایمان قیس اپنا چراغ مزار ہے

ریحان و سبزہ گل ہے نہ غنچہ نہ خار ہے
حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

جو فاتحہ کو آتے ہیں کہتے ہیں اے پری
حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

کاجل ہیں موہنی ہے کہ جادو ہے آنکھ میں
اے جان سیل سرمہ مرا جسم زار ہے
اس موتی چور آنکھ میں کاجل تو دیکھئے
جس پر نثار گردش لیل و نہار ہے
کاجل لگی جو آنکھ جھپک جائے پھر کبھی
آنکھوں میں جان آئی ہوئی ہے دل بے قرار ہے
ہم بھی چلے بیٹھتے ہیں طلب کیجئے حضور
جب ہو کباب بادہ کشی کی بہار ہے
اتنے ترش ہو شور مچاتے ہو کس لئے
لو نوش کیجئے دل صد قاش اچار ہے
کن شوخ چشم پریوں کے دیوانے ہو نسیم
اطراف دشت میں جو یہ ہرنوں کی ڈار ہے

وہ پری آنکھ لڑانے سے خفا ہوتا ہے
ساقیا دور میں ساغر سے مزا ہوتا ہے
خنجر ناز سے گر ذبح گلا ہوتا ہے
کام بنتا ہے مرا نام ترا ہوتا ہے
ہجر کے دھیان سے دم اپنا فنا ہوتا ہے
قتل کو میان سے خنجر جو جدا ہوتا ہے
شیشہ و کاسہ و خم سکتے میں ہے اے ساقی
بے ترے بزم میں جام آبلہ پا ہوتا ہے
عاشق زلف کو ہے لطف اسیری معلوم
کوئی بے وجہ گرفتار بلا ہوتا ہے

پاؤں پر پڑ کے اہلیں کیا ہمیں اُنے دیتا
مستعد خوں پہ مرے رنگ حنا ہوتا ہے

زلف حائل ہے دعاء وصل کی ایجاب نہ ہو
درغ آمین تلک رشتہ بپا ہوتا ہے

ایک شب آپ نے جو زمزمہ سنجی کی تھی
گھر مرا آج تلک نغمہ سرا ہوتا ہے

جان ہم دیتے ہیں اس گل پہ تصدق ہو کر
شمع پر گھوم کے پروانہ فدا ہوتا ہے

تہمت خط سے ہے کیوں خاطر اقدس پہ غبار
زہر سے گیسوؤں کے گال ہرا ہوتا ہے

دانے پانی کی خبر لیجئے صیّاد کبھی
طائر دل تو مرا رشتہ بپا ہوتا ہے

مہر کیوں ہوتی ہے تو تل کے دہن پر ساقی
کیوں وہ اک سمت کے مانند پڑا ہوتا ہے

شرم سے ہٹتے ہیں کیا کچھ وہ پسینے توبہ
ہاتھ سے میرے جو وابند قبا ہوتا ہے

کیا قضا کرتے ہیں جب تیر ادا سے اس کے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

آتش رند نہیں عمر میں اپنے اے نسیم
لکھنؤ کو غزل اب جائے تو کیا ہوتا ہے

ہوا سے جو زلف ان کی الجھا کرے گی | دری آہ کیا جب کہ دیکھا کرے گی
یہ کیا دخت رز ہم سے پردہ کرے گی | پری بن کے شیشے میں بیٹھا کرے گی

تری چشم سے گوں کا بیمار ہوں میں — دوا کون سی مجھ کو اچھا کرے گی
ہے میزان میں جب تک یہ میرا ستارہ — نظر چاند کی میرے تولا کرے گی
مگر صبح محشر میں ہی روتی دھوتی — شب ہجر منہ اپنا کالا کرے گی
تپ عشق میں اس کے جل بھن رہا ہوں — مری آہ کیا مجھ کو پنکھا کرے گی
جو وہ گل ہنسی کو بھی دے جنبش لب — عنادل کی تصویر بولا کرے گی
ملا سینے سے سینہ تم آزما لو — مری جان کیا تب بھی تڑپا کرے گی
لڑاتا نہ آنکھ اور نہ آنسو بہاتا — میں کیا جانتا تھا کہ رسوا کرے گی
قیامت ہوئی چلتے ہی پاؤں پاؤں — جوانی یہ کیا رفتہ رفتہ کرے گی
کسی زہرہ وش کی ہے مانگی یہ چتون — جگر میں فرشتوں کے برما کرے گی
ہر اک حور جنت اناروں کو لا لا — ترے ابھرے جوبن پہ صدقہ کرے گی
تجھے دیکھ خسرو ہو شیریں سے کڑوا — کنھیا سے انکار رادھا کرے گی

نسیم اب ہوا سرد چلنے لگی ہے
نہ ٹوٹے گی توبہ تو پھر کیا کرے گی

خمریہ

باغ وصل نگار ہے ساقی — پھول پلوا بہار ہے ساقی
ہم پر اس گل کا پیار ہے ساقی — فضل پروردگار ہے ساقی
منطقہ مجھ کو دور ساغر ہے — نشہ نصف النہار ہے ساقی
جلتے بھنتے ہیں تیری بھٹی میں — ہم کو دوزخ شرار ہے ساقی
منہ سے ساغر لگا دے تو دن رات — جشن نوروز یار ہے ساقی
قلقل شیشہ کیا یہ بمبہ ہے — مہر پروردگار ہے ساقی
مے میں گیسو ڈبو دیا شاید — بوئے مشک تتار ہے ساقی

میری محفل کی دیکھ کیفیت — گردش چشم یار ہے ساقی
درجنوں ہی پئے نہیں سیری — کیا یہ خوش گوار ہے ساقی
مثل ساغر کہاں ہے واٹر فال — قدرتی آبشار ہے ساقی
سرخ رو کر دیا برانڈی نے — تجھ پہ لندن نثار ہے ساقی
حوض کوثر بھی مجھ کو دے گا — صاحب ذوالفقار ہے ساقی
مثل بندوق کاگ اڑتے ہیں — بط مے کا شکار ہے ساقی
ہم نے نشے میں کچھ لئے بوسے — کس لئے شرمسار ہے ساقی
پھول فرقت میں تیغ کا پھل ہے — مجھ کو تاڑی کٹار ہے ساقی
مجھ کو دیکھا کہ بھر کے مے لایا — کس قدر ہوشیار ہے ساقی
میری توبہ کا کچھ خیال نہ کر — اللہ آمرزگار ہے ساقی
مے پلا آنکھ سے بھی آنکھ لڑا — یک کرشمہ دو کار ہے ساقی

دولت اپنی لٹا رہے ہیں نسیم
میکدے میں بہار ہے ساقی

ہجر کی رات بڑی سختیوں سے ٹلتی ہے
شمع جلتی ہے کہاں جان مری جلتی ہے
سوزش دل کا مری دھیان جو آتا ہے کبھی
وہ بجھا دیتے ہیں گر شمع کہیں جلتی ہے
اشک عاشق سے دل سخت صنم نرم ہو کیوں
شاخ سوکھی کہیں برسات سے بھی پھلتی ہے
یاد کاکل کی بلا دل سے نکل جاتی ہے
چھپ کے اندر ہی کلیجے کو مرے ملتی ہے
مجھ کو امید سحر ہجر میں کیوں کر ہو نسیم

جز نسیم آپ کہیں اور گزر کس کا ہے
غم کے خم صاف ہوں دم بھر میں جگر کس کا ہے

یا خدا جلوہ گہ دیدۂ تر کس کا ہے
نہیں معلوم مری آنکھ میں گھر کس کا ہے

رونق افروز ہوئے ہیں وہ کئی بار ادھر
جب نہ تب پوچھتے ہیں اور یہ گھر کس کا ہے

مژہ و ابرو و خط سے مجھے کچھ کام نہیں
دل میں اب تک جو خلش ہے وہ اثر کس کا ہے

یاد یوسف ہی میں یعقوب جو برسوں رویا
نہیں معلوم تھا یہ نورِ نظر کس کا ہے

بندے اللہ کے ہیں سب کیسے یہ رشتے ناتے
باپ کس کا ہے زمانے میں پسر کس کا ہے

وصل گل رنگ و مے و باغ مبارک ہو نسیم
دل کے ارمان نکالو تمہیں ڈر کس کا ہے

ہیں چشم یاس مجھ کو پیالے شراب کے
بھنتا ہے مرغ ہوش عوض میں کباب کے

عالم تمام مست ہیں دیر خراب کے
افلاک ہیں الہٰی کہ شیشے شراب کے

کیا جاؤں دیر و کعبہ کو میں ہر دری نہیں
ہوں آستاں پہ اک بت عالی جناب کے

محفل میں آمد آمد رشک مسیح ہے
قالیں کے پھول بن گئے پھول آفتاب کے

یارب ہوا و ابر کی صورت طے وہ ماہ
جاتے ہیں مثل برق مرے دن شباب کے

رندوں نے دیکھا بال جو ساغر میں آ گیا
پیر مغاں کو دیتے ہیں نسخے خضاب کے

شوخ شکار دوست وہ جب زیب تن ہوا
آہو کے آنکھ بن گئے حلقے رکاب کے

میکش نسیم چونک کر اٹھتا ہے مے سمجھ
ہنگام غش جو آتے ہیں شیشے گلاب کے

آج کی شب اے قمر دیکھوں میں کیوں کر چاندنی
چاند اپنا اور ہے پڑتی ہے دیگر چاندنی

آخر شب وصل میں ہو جو میسر چاندنی
دھوپ کے بدلے ہوائے خورشید خاور چاندنی

بہ خود آرا ہیں کچھ ان سے فیض عالم کو نہیں
کرمک شب تاب سے کیا ہو جہاں پر چاندنی

جو نجس ہیں ان کو ہے روشن مزاجوں سے حسد
مضطرب کر دیتی ہے کتوں کو اکثر چاندنی

شیشۂ صہبا میں ہے عکس رخ رشک قمر
دیکھئے گھر میں پری کے ہے مسخر چاندنی

عاشق رخسار ہوں تیرا میں اے بدر الدجی
تجھ پہ ہوگی تابش خورشید محشر چاندنی

گرم قہوہ ہے سرد پانی ہے / دور ہے ہو تو مہربانی ہے
کونسی چیز مے کی ثانی ہے / پیر صد سال کی جوانی ہے
مے کی حرمت کا شور بے جا ہے / سوڈا واٹر تو کھارا پانی ہے
کون پیتا ہے بے مے گلگوں / سوڈا واٹر تو کھارا پانی ہے
مے کو اک اعتدال پر پینا / اہل فطنت کی یہ نشانی ہے
کیا گلہ وصل کروں میں فرقت میں / نغمہ بلبل کا نوحہ خوانی ہے
کیوں نہ ہو مصر آج کل بنگلور / میرا یوسف تو کاروانی ہے
پیر فانی بھی چھاتی کوٹتے ہیں / کس امنگوں تری جوانی ہے
لاکھ شب ان کی زلف کا اک تار / الف لیلہ ذری کہانی ہے
اُن کی انگیا میں عطر کس نے ملا / ایسے فتنے کا کون بانی ہے
ہم کہاں ان کے فرش کے قابل / چاندنی چاند کی پرانی ہے

پی گئے کیا نسیم سب یکتا
شاہ قہوہ کی حکمرانی ہے

عید مبارک

لو مبارک باد جاناں آج روز عید ہے
سینے سے سینہ ہو چسپاں آج روز عید ہے
گل پہ بلبل شمع پہ پروانہ ہوتے ہیں نثار
تم پہ ہم ہوتے ہیں قرباں آج روز عید ہے
ہاتھ صیادوں کے ٹوٹیں دور ہو اور چشم بد
وقف بلبل ہو گلستاں آج روز عید ہے

ہے امنگوں پر خوشی ساقی پلا دے شامپین
چاہیئے چھپائے جوش آج روزِ عید ہے
لو مبارک ہو گلے ملنے وہ آتے ہیں نسیم
پونچھ لو تم چشم گریاں آج روز عید ہے

کب فقط انساں ہی مجنون رخ جانانہ ہے
طوق پہنا ہے گلے میں چاند بھی دیوانہ ہے
عشق کاکل کی پریشانی میں ذکر شانہ ہے
مبتلا سرسام کا ہوں شوق علم شانہ ہے
در خیال چشم و گردن دل مرا دیوانہ ہے
ساغر و مینا وے آبادی مے خانہ ہے
آبرو والے وطن سے بھی سفر میں خوب ہیں
کان میں بحر اداکے مسکن در دانہ ہے
کشتی مے ہے مہندس مجھ کو نصف دائرہ
خط پرکاری مثلث کا خط پیمانہ ہے
اڑ گیا ذرے نمط اس مہرباں کے منہ سے تل
شمع رخ پر موے خط ہر اک پر پروانہ ہے
قلقل مینائے مے ہے اے پری شور نشور
آفتاب حشر تیری بزم کا پیمانہ ہے
زلف کے مجنوں کا عالم عرض کر سکتا نہیں
طول میں یہ الف لیلہ سے بڑا افسانہ ہے
کچھ تنک ظرفی سے میں کہتا نہیں ہوں مے کشو
چشم ساقی کی قسم ٹوٹا ہوا پیمانہ ہے

فکر تبرید تپ فرقت نہ کر ہرگز طبیب
یاں ثنا خواں اس گل رخسار کی بہدانہ ہے

حسن کی گرمی ہے چہرے پر پسینہ کیوں نہ ہو
شمع رخ پر آپ کے پنکھا پروانہ ہے

دیتی گردش ہی رہی اس دور کی گردش مدام
خط مری تقدیر کا شاید خطِ پیمانہ ہے

اہلِ غم کو صحبت دل سوز کی پروا نہیں
نالہ شب گیر سے روشن مرا کاشانہ ہے

آتش نالہ زباں پر منہ میں کف آنکھوں میں آب
اس فرنگی عشق لب سے دل بھی شکر خانہ ہے

پھول نافرمان کا ہے تیرہ بختی اے نسیم
سبز بختی اس چمن میں سبزۂ بیگانہ ہے

یہ کیا رنگیں بیانی ہے حنا کی — کرو کچھ فکر میرے خوں بہا کی
اجابت ہو گئی عاشق دعا کی — بتوں کے در پہ میں نے التجا کی
وہ پوچھے تو خوشی سے مر نہ جاؤں — تجھے کچھ یاد بھی ہے ابتدا کی
دل مضطر ہوا سیماب کشتہ — عجب بوٹی ہے خط بھی کیمیا کی
دوشالہ اس پری رو کا سنبھالا — ہر اک فرد بشر میرا ہے ثنا کی
فراق و وصل میں کیفیتیں ہیں — پیالی مے کی بن جاتی ہے حیا کی
لگا اٹھنے یہ جوبن وصل کی شب — گرہ خود کھل گئی ان کی قبا کی

نسیم آتے ہی گلشن میں وہ بولے
ہم اب پیتے ہیں ہے تم نے دیا کی

بس تھا جو ترے ساتھ ملاقات ہی رہتی
سونے سے چمکتا ہے تو کچھ بات ہی رہتی

ہم تم سے جدا ہوتے نہ تم غیر سے ملتے
تا صبح قیامت وہ اگر رات ہی رہتی

تم بوسہ نہ دیتے تو مجھے ہوتے نہ بدنام
رہتی تھی مروت یہ کہاں ذات ہی رہتی

اے جان نہانے ہیں گلے لگنے جو دیتا
جان کے مرے تن میں تری گات ہی رہتی

بو تل بھی کہیں چھٹتی نسیم آپ کے منہ سے
سب رت دھواں دھار جو برسات ہی رہتی

وہ پوچھتے ہیں غرض انکھڑیاں لڑانے سے
میں بولتا ہوں کہ سمجھے ہو مسکرانے سے

صدائے خوش ہے پیانو بتو بجانے سے
شراب وصل پلاؤ کسی بہانے سے

وہ زلف گال پہ بزم عدو میں الجھائے
کہ خوش ہیں شب کو مرے پاس چھپکے آنے سے

اٹھائے ہاتھ تو بجلی تیغ کے نظر آئے
وہ قتل کرتے ہیں انگڑائی کے بہانے سے

غبار بندے سے آیا ہے دل میں صاحب کے
کہ خود ہی کرتے ہیں نفرت مٹی لگانے سے

وہ بھولے بھالے ہیں اور سیدھے سادے کم سن ہیں
خبر نہیں ہے بناوٹ سے دل لگانے سے

نسیم آتا ہے مشکل ہی کا سبق در پیش
وہ رو ٹھے جاتے ہیں پٹی کو گڑھانے سے

حشر کے دن مرے نالوں کی جو نوبت آئی
پھونک گیا صور قیامت پہ قیامت آئی

دن گذرتے ہی مرے سر پہ یہ قیامت آئی
بال کھولے ہوئے شام شب، فرقت آئی

دوست ناداں سے بہت خوب ہے دانا دشمن
دشمنی پر بھی تری مجھ کو محبت آئی

میرے خط کے لئے کیا آئی خدا کی تحریر
کچھ سمجھ میں نہ خط رخ کی عبارت آئی

سادہ پن کون سے وقت آیا مزاج بت میں
پہلے شوخی تھی جوانی میں شرارت آئی

مفلسی فاقہ کشی درد و محن رنج و الم
خوب دولت مرے گھر تیری بدولت آئی

غیر سے بات نہ کی ہم سے کیا بت نے مذاق
کیا اسے اپنے پھریرے پہ حرارت آئی

میری جانب سے وہ خود رکھتے ہیں خاطر میں غبار
غیر کے کہنے سے کیا خاک کدورت آئی

یار نے زلف سیہ رخ پہ سنوارے جس دم
رتبہ بادل کا گھٹا مہ کو ندامت آئی

وجد غنچوں کو ہوا غنچوں کے منہ بند ہوئے
میرے مذکور پہ کس کس کو نہ حالت آئی

آنکھ نے قدرت باری کا تماشا دیکھا
دل میں جب عشق مجازی کی حقیقت آئی

دعوت رز خلق میں کھنچتی رہے زاہد سے مدام
اس رکاوٹ کے سبب ہاتھ یہ صحبت آئی

بزم جاناں میں مرا دل مرا جینا ہے نسیم
ایک دن بھی نہ کبھی شمع کی نوبت آئی

صیّاد کا خیال ہے بلبل چمن میں ہے
دل ہے تمہارے پاس مرا تن وطن میں ہے

تلوار تولتے ہو کرو کچھ خرام بھی
واللہ اجل ہماری تمہارے چلن میں ہے

عین شب لب میں ہے نقاب ان کے گال پر
یاں چودھویں کے روز بھی سورج گہن میں ہے

فرد

نوخطوں سے ہوئی تبرید جہاں میں کتنی
کاغذ تشنہ سیاہی کو نہیں پیتا ہے

فرد

برسوں رہے نسیم وہاں ہائے کیا کیے
چپ دور دور ہی سے اشارے ہوا کیے

قطعہ نعتیہ

کفّار کو سودا ہے کہ وہ گیسو ہیں کیسے
ترکوں کو جنوں ہے کہ ترے ابرو ہیں کیسے
عاشق ہے خدا حور خدا دل سے نسیمؔ آہ
آنکھوں ہیں بنیؐ آپ کے یہ جادو ہیں کیسے

کلیسا کو چلے آنکھیں لڑائے جس کا جی چاہے
خوشی سے بیٹھ کر گائے بجائے جس کا جی چاہے
کسی محبوب کا دامن اٹھائے جس کا جی چاہے
در فیض مسیحا وا ہے آئے جس کا جی چاہے
مرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

تضمین شعر جذبؔ

دکھ درد ہیں لے دوست کنارے کئی دن سے
ہے مہر فلک ذرے پہ بارے کئی دن سے
کہتا نہیں کچھ شرم کے مارے کئی دن سے
ہر شب ادھر آتا ہے سنوارے کئی دن سے
کرتا ہے کوئی چاند اشارے کئی دن سے
گھر پر مرے گرتے ہیں ستارے کئی دن سے

لاؤں گا فلک پر سے اُسے شعر سنا کے
دکھلاؤں چکوروں کے روش حال سنا کے
لے لوں گا بلائیں میں اجی زلف رسا کے
پوچھوں گا شب وصل ہے کب آنسو بہا کے
کرتا ہے کوئی چاند اشارے کئی دن سے
گھر پر مرے گرتے ہیں ستارے کئی دن سے
عشاق تو مرتے ہیں چکوروں کے برابر
شیریں نے نہ ماری کبھی فرہاد کے ٹھوکر
یہ مرتبہ کس روز تھا وامق کو میسّر
طالع ہیں مرے قسمت مجنوں سے بھی بڑھ کر
کرتا ہے کوئی چاند اشارے کئی دن سے
گھر پر مرے گرتے ہیں ستارے کئی دن سے
آتا ہے مرے جی میں کہ اب اُس کو بلاؤں
وہ جتنا ستایا ہے مجھے اتنا ستاؤں
لب چوس کے لوں بوسے اسے ہونٹ چباؤں
لگ۔ لگ کے گلے اس کو بھی چھاتی سے لگاؤں
کرتا ہے کوئی چاند اشارے کئی دن سے
گھر پر مرے گرتے ہیں ستارے کئی دن سے
رہتا ہوں شب وصل کی تیاری میں ہر آن
موجود کیا چاہتا ہوں عیش کا سامان
عطر و مے و ساقی خم و جام و گل دبستان
میں چاندنی رات اس پہ ہوا کرتا ہوں قربان
کرتا ہے کوئی چاند اشارے کئی دن سے
گھر پر مرے گرتے ہیں ستارے کئی دن سے

دل کیسا لگاؤں میں نہیں کچھ بھی وفائی
ادل سے لے اب تک بھی نہ کی تو نے بھلائی
افسوس صد افسوس تجھے مہر نہ آئی
صاحب رہیں خوش آج سے بندہ ہے پرائی
کرتا ہے کوئی چاند اشارے کئی دن سے
گھر پر مرے گرتے ہیں ستارے کئی دن سے

شاعر ہوں بڑا نام نسیم سحری ہے
خواہش میں غزل کی مری ہر ایک پری ہے
مہتاب و گل اندام کی یاں جلوہ گری ہے
دل کو بھی نہیں جذب ہے کیا قدر تری ہے
کرتا ہے کوئی چاند اشارے کئی دن سے
گھر پر مرے گرتے ہیں ستارے کئی دن سے

تضمین غزل ذکا

شرابی ہم سے جہاں میں کہاں اجی نکلے
خدا سے چاہتے ہیں پیتے پیتے جی نکلے
جگر بھی جل کے اگر بو کباب کی نکلے
عوض پسینے کے تن سے شراب ہی نکلے
تب اپنے دل کی تمنائے مے کشی نکلے

صنم یہ آگئے کی باتیں کہاں نکل آئیں
نثار ہونے کو جائیں یہاں نکل آئیں
چھپی ہوی ہی نہیں کچھ عیاں نکل آئیں

تمہیں تو نامِ خُدا چھاتیاں نکل آئیں
ہوس ہمارے بھی دِل کی کبھی کبھی نکلے

ہَوا زمانے کی بدلی ہے کیسی اے ہمسر
غبارِ بحرِ طبیعت یہ رکھتے ہیں اکثر
رہے نہ سینے سے کس طرح بند دیدۂ تر
خُدا کی شان تو دیکھو یہ بولے گوہر
ہمارے اشک سے کرنے برابری نکلے

الٰہی فقرے کڑے تم سُناتے ہو دِل کو
گرے گا عرش خُدا کا دُکھاتے ہو دِل کو
یہ کیسی آگ لگا کر جلاتے ہو دِل کو
برنگِ شمع ہمیشہ گلاتے ہو دِل کو
مبادا آپ کی میری کٹی جلی نکلے

شراب خُوار ہُوں مَیں یا بتوں پہ شیدا ہُوں
نسیمِ باغ ہُوں یا میں صبائے صحرا ہُوں
مَیں ہرزہ گو ہُوں کہ یا نکتہ دانِ یکتا ہُوں
ذکا میں کیا ہُوں خُدا جانے پھر سمجھتا ہُوں
جنابِ فیض کے شاگرد اچھے ہی نکلے

ایضاً

یہ ناتواں ہُوا ہُوں کہ سیایا نہیں مجھے
طعنے سُنے دماغ تو ایسا نہیں مجھے
غصّہ ترا سنبھالوں یہ یتا نہیں مجھے

اے عشق ظلم سہنے کا یارا نہیں مجھے
اک ٹوٹا پھوٹا دل ہے کلیجہ نہیں مجھے

در کا بتوں کے سنگ ہے کعبہ نہیں مجھے
خوفِ صنم ہے خوف کسی کا نہیں مجھے

پند و نصیحت آپ یہ کہنا نہیں مجھے
زہد و ورع کا شیخ سلیقہ نہیں مجھے
معلوم سیدھا اُلٹا مصلا نہیں مجھے

وہ مست ہوں کہ جان کی پروا نہیں مجھے
دل ہو گیا کباب تو ایذا نہیں مجھے

بحرِ الم کی موج کا خطرہ نہیں مجھے
نشّے کی لہر میں غمِ دُنیا نہیں مجھے
کشتی مے ہوں آفتِ دریا نہیں مجھے

سمجھا پھلیل زہر ہے ایسا ہوں تھرجیا
دہشت کے مارے نام زباں پر نہیں لیا
چوٹی کا اُن کی دھیان ہی میں نے نہیں کیا
موباف کے خیال نے خود گم یہ کر دیا
کوڑے بھی گر لگاؤ تو ایذا نہیں مجھے

اعجاز سے تو یادِ صنم دے رہے ہیں آپ
لب کو ہلا کے اور بھی غم دے رہے ہیں آپ
کیا غم یہ غم الم یہ الم دے رہے ہیں آپ
بس بس مسیح کاہیکو دم دے رہے ہیں آپ
بے یار جی اُٹھوں یہ گوارا نہیں مجھے

عنقا صفت جو طائرِ مضمون گم گیا

شہباز فکر سے مرے ہرگز نہیں بچا
کچھ شئے نہیں جہاں میں جو محرم نہیں ہُوا
چڑیا کے پر ہوا پہ گِنے میں نے بارہا
کھلی مگر حقیقت انگیا نہیں مجھے

چوٹی نسیم چھوتے ہی دیوانہ بن گیا
عارض کو دیکھ ہوش پری سے ہوا ہُوا
یہ کیا خیال ہے کہ بڑا جن ہے سر چڑھا
مژگاں کی چھیڑ آپ ہی کو بھائے گی ذکا
نشتر گڑھاؤں دل میں یہ سودا نہیں مجھے

تضمین غزل قدسی

تم پہ کیا کیا نہ ہُوا ظلم یزید غضبی
فاقے پر فاقے ہے اور کبھی تشنہ لبی
یا حسینؓ ابن علیؓ سبطِ نبیؐ مطلبی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہو گیا زخموں سے جب چُور تن سبطِ نبیؐ
دیکھ وہ صبر و شکیب اور وہ کڑی تشنہ لبی
روحِ ایوب یہ کہتی تھی بصد بوالعجبی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آیا میدان میں جو وہ رشکِ سلیمان و جم

سایہ افگن ہوئی جب مثلِ پری تیغ دو دم
ناری کہتے تھے گلے مل کے زباں سے ہر دم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

وہ شہ غیرتِ جم رن میں جو آیا بہ حشم
ہو گیا آئینۂ تیغ سے ششدر عالم
روح اسکندر رومی نے کہا یہ ہر دم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

ذوالجناح شہ والا ہوا گلگوں جس دم
آئی سدرہ سے اسے لینے براقِ اکرم
پڑتی تھی شیریں ادا بن کے یہ فرفر ہر دم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

کب علو چرخ کو ہے وسعتِ دریا ہے کیا
عرش تو آپ کے نانا کا رہا زیرِ پا
یا حسین رضؓ آپ کا مرکب ہے وہ محبوبِ خدا
نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

صاف آئینے سے اکبر کو قضا نے یہ کہا
دخترِ شاہِ حلب تم کو نہیں کچھ زیبا
حورِ سیماب ہیں نوشاہ دکھا دو جلوا
نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را

برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

زعفر جن نے کہا جنگ کو اے شاہِ امم
ساتھ اس کلب کے موجود ہیں خدام و حشم
پھر کہا شاہ سے دیکھا جو وہ انکار اتم
نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بسگِ کوے تو شد بے ادبی

اسداللہ کے فرزند پہ دیکھا جو ستم
قوس و مریخ و عطارد کو لئے مہر بہم
عرض کی حکم وغا ہو تو شرف ہے اس دم
نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بسگِ کوے تو شد بے ادبی

بھوکے اور پیاسے جو سجاد تھے زندانی شام
کہتے تھے دانہ زنجیر پہ طوطی کا پیام
جنبشِ لب ہو ادھر بھی کبھو اے شاہِ انام
نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

نہر کو چھین کے دیتے تھے نہ پانی بد ذات
کس قدر اہلِ حرم پیاسے تھے نزدیکِ فرات
جوہرِ تیغ سے یہ عرض تھی ان کی ہیہات
ما ہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

کاربستہ سے پریشان ہے غلام سرور
واسطے قاسم و اکبر کے شہیدِ اکبر

واسطے عابدِ بیمار کے اے خیر بشر
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و
جبرئیل آپ کے گھر آکے بصد باادبی
یوں بیاں کرتے تھے اُلفت کا بشیریں رطبی
اے نسیمِ چمن خلدِ برین سبطِ نبیؐ
سیّدی انتَ حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوے تو قدسی پے درماں ط

مرثیہ علی اکبرؓ

رن میں اک آفتاب آتا ہے غیرتِ ماہتاب آتا
زیب عہدِ شباب آتا ہے نورِ حق کا سحاب آتا
ہائے اٹھارہ سال پورے ہیں
موت کے جال ڈھال پورے ہیں
ہائے اٹھتی ہوئی جوانی ہے شکل میں مصطفےٰ کا ثانی
خلفِ مرتضیٰ کا جانی ہے ماتھے پر موت کی نشانی
کوئی کہتا تھا یہ پیمبر ہیں
کوئی بولا نہیں یہ حیدر ہیں
کیا ہیں صلِّ علیٰ علی اکبرؓ دیکھیں صورت تو بولیں
صاف جرأت میں ثانی حیدرؓ سخت پیوند تیغ سے
بانکپن سے لرز گیا مریخ
زال نے تھرتھرا کے ماری چیخ

... ہاتھ میں ہوتی شمشیر — شمر کو یاد آیا ماں کا شیر

یہی چلائے سب جوان و پیر — سہمو اب پھینک دو کمان و تیر

ان سے ہم داخلِ عدم ہوں گے
دم میں لاکھوں کے سر قلم ہوں گے

اس کا دادا ہے فاتحِ خیبرؓ — جد ہے اس کا خدا کا پیغمبرؐ

باپ اس کا ہے نور کا مظہر — کیوں نہ ہوگا یہ قاتلِ لشکر

یہ جو چاہے گا آسماں نہ پھرے
منہ میں انساں کے زباں نہ پھرے

آسمان و زمیں ہلا دے گا — اینٹ سے اینٹ یہ بجا دے گا

یہ جہاں خاک میں ملا دے گا — ہم کو صحرا ابھی بنا دے گا

ذرے کو آفتاب کر دے گا
قطرے کو ماہتاب کر دے گا

رہ گیا جب جھجک کے لشکر سب — نعرہ مارا لعیں نے کر کے غضب

شہ کو ہے تشنگی و رنج و تعب — نہ ڈرو لوگو کچھ نہ سکت اب

علی اکبر کا سر اُتار تو لو
ہم سے اونٹوں کی تم قطار تو لو

بھوک سے اس کی طاق ہے طاقت — پیاس سے اب ہے ضعف کی شدت

طلب آب کی نہ دو فرصت — کہ علیؓ و نبیؐ کو ہو رقت

پانی دکھلا کے مارے اس کو
لوگو ترسا کے مارے اس کو

اس جواں کو اگر نہ مارو گے — ہے یقیں یہ کہ جنگ ہارو گے

لوگو تم یا علیؓ پکارو گے — سب عدم کی طرف سدھارو گے

کس طرح منہ یزید کو دکھلائیں
سرِ شبیرؓ کس طرح لے جائیں

شہ کو اکبرؓ کا ہی سہارا ہے — اس کی شمشیر کا پکارا ہے
جان سے بھی زیادہ پیارا ہے — برجِ پیغمبری کا تارا ہے

غمِ اکبرؓ ہی شہ کو مارے گا
مرتے دم بھی اسے پکارے گا

مشورت سے بڑھا یہ جب لشکر — گھوڑا اچکا کے چل دیا اکبرؓ
ایک دم میں کئی ہوئے بے سر — آئی تب یہ صدائے پیغمبرؐ

تم کو منظور اب شہادت ہے
دیکھو اکبرؓ یہ کس کی اُمت ہے

کس پہ شمشیر تم چلاتے ہو — زور اپنا کہاں دکھاتے تو
وعدہ بابا سے کیا بھلاتے ہو — کیا نہیں میرے پاس آتے ہو

منتظر فاطمہؓ ہیں جنّت میں
دیر کرتے ہو کیوں شہادت میں

حور گیسو سے جھاڑتے ہیں جناں — آب افشاں ہے دیدۂ رضواں
قدسیوں کا گروہ ہے نالاں — اک طرف جبرئیل ہے گریاں

دستِ حیدرؓ میں جامِ کوثر ہے
فاطمہؓ کا کھلا ہوا سر ہے

جب سنا یہ بیان علی اکبرؓ — بولا اے شمر اُتار میرا سر
ہمیں لازم ہے خواہشِ داور — پیاس ہے حلق پانی سے تر کر

تجھ کو بدلے میں بوند پانی کے
جامِ کوثر کا حشر میں دیں گے

لوگو میں مدتوں سے پیاسا ہوں — لوگو شمشیر کا میں بیٹا ہوں
لوگو میں فاطمہؓ کا پوتا ہوں — تم سے میں عاجزی سے کہتا ہوں

لوگو اصغرؓ کا بالا پن دیکھو
پیاس سے خشک ہے دہن دیکھو

پانی دو اس کو جا پلاؤں گا　　بانو کو منہ دکھا کے آؤں گا
میں خوشی سے ہی سر کٹاؤں گا　　اپنے کو خاک میں ملاؤں گا

بولا ظالم نے جیتے جائیں گے
جیتے جائیں گے تو پھر آئیں گے

یہ کہا اور نیزے سے مارا　　جگرِ فاطمہ ہوا پارہ
نہ رہا سانس لینے کا یارا　　ہائے تڑپا حسینؓ کا پیارا

گھوڑے سے گر پڑا وہ غش ہو کر
لے کے دوڑا لعین نے خنجر

کاٹا سر فاطمہ کے زانو پر　　پیٹتی سر تھی روحِ پیغمبرؐ
پہنچی خیمے میں بی بیوں کو خبر　　نکلیں روتی ہوئی سبھی باہر

رن تلک روتی پیٹتی آئیں
جان کو کھوتی پیٹتی آئیں

کہا بانو نے ہائے او بیٹا　　اپنا جنگل میں ساتھ کیوں چھوڑا
کیا جواں مرنے ہی کہیں پالا　　ہائے سہرا ترا نہیں دیکھا

مرے یوسف میں کس کی چاہ کروں
مر گئے تم تو کس سے بیاہ کروں

بختِ شاہِ حلب سے نسبت ہے　　ہائے اللہ یہ کیا کدورت ہے
خاک میں آئنہ سی صورت ہے　　سکتہ ہے تم کو یا کہ حیرت ہے

مثل پارے کے بے قرار ہے دل
اٹھو بیٹا کہ پُر غبار ہے دل

ہائے زلفوں کی گھنگھریالے بال　　میرے جی کو الجھنے سے تھا وبال
آج وہ زلف ہو گئی پامال　　اے مرے نوجوان اے مرے لال

کیسے اب خاک و خون میں سوتے ہو
بحرِ غم میں ہمیں ڈبوتے ہو

بھوکے پیاسے گئے ہو جنّت کو
رحم آیا نہ کچھ بھی اُمّت کو
مارا خنجر نبی کی صورت کو
پڑھ چکے کلمہ شہادت کو

مر گیا میرے دودھ کا پالا
مر گیا میرا گیسوؤں والا

حالِ زینب رضؓ ہو کس طرح سے رقم
غم سے کاغذ پہ سر رکھا ہے قلم
کر رہے ہیں ملک کھڑے ماتم
اہلِ محفل الم سے ہیں بیدم

رحم کیجے نسیم پر شاہا
اس غلامِ قدیم پر شاہا

قطعہ نعتیہ

کُفّار کو سودا ہے کہ وہ گیسو ہیں کیسے
ترکوں کو جنوں ہے کہ ترے ابرو ہیں کیسے
عاشق ہے خدا حُور فدا دل سے نسیم آہ
آنکھوں میں نبی آپ کے یہ جادو ہیں کیسے

رُباعیات

کیوں اس کے حسد میں اک جہاں مرتا ہے
کس کا خون اور خرابہ یہ کرتا ہے
ہے بخشنے والے کا گنہ گار نسیم
پیتا ہے شراب اور کسی کا دم بھرتا ہے

ستم کھائے سا ہوتا ہے یہ موسم دیکھوں
پھانسی بنے جو حلقۂ ماتم دیکھوں
خنجر سے گلا کاٹنا بہتر ہے نسیمؔ
کن آنکھوں سے میں ماہ محرم دیکھوں

شبیرؑ کا جس دل میں ہوا درد نسیمؔ
ہوتے ہیں گناہ اس کے سب گرد نسیمؔ
ہے غیرتِ سلسبیل ہر اک آنسو
گرمیٔ دوزخ کی بنتی ہے سرد نسیمؔ

چلاتا مرا ابرو کماں ہے دیکھو
یا نی کس گوشے میں نہاں ہے دیکھو
جب تیر لگا نسیمؔ شہ نے یہ کہا
اس اصغر بے زباں کی یہ زباں ہے دیکھو

خوش ہوا ے نسیمؔ بے وفا سے چھوٹے
غم کرتے ہو کیوں بری بلا سے چھوٹے
دنیا میں بہت حسیں ہیں اٹھو دیکھو
اس بت سے جو چھوٹے کیا خدا سے چھوٹے

اللہ کے سوا مدد کے خواہاں سب ہیں
خود واسطے خلق کے جفاکش کب ہیں
اس عہد کے سارے بادشاہوں میں نسیمؔ
بس ایک نظام عالی ظل رب ہیں

محبوبِ خدا نبی کا پیارا ہے کون
سلطاں کے گناہ بخشے ایسا ہے کون
سبقت احساں کو ہے غضب پر کس کے
جز سایہ حق نظامِ والا ہے کون

قطعاتِ تاریخ

تاریخِ ولادت فرزند مہاراجا چامراج وڈیر

فرزند میرے راجہ کو صاحب قراں ہوا
۱۳۰۱ھ

تاریخِ وفات دیوان اول ریاستِ میسور

رام سر کو جھکا کے کہنے لگا
رنگا چارلی کا انتقال ہوا
۱۳۰۰ھ

قطعہ تاریخ ولادت دخترِ چامراج وڈیر والی میسور

کِشن راج امنّی ہوئی پیدا
دن کو سورج تو رات چندہ ہے
سن جو پوچھا سرِ ادب سے نسیم
بولا ہاتف کہ نیک اختر ہے
۱۲۸۲ھ

مصرعۂ تاریخ وفات شہزادہ غلام محمدؒ فرزند ٹیپو سلطان شہیدؒ

گئی آہ جانِ غلام محمد
۱۲۸۳ھ

مثنوی

لا ساقی پیالہ مثلث — یہ شکل عروس وہ مثلث
آنکھیں نہ نکالے مجھ پہ مُلّا — زاہد نہ پکارے توبہ توبا
ہمشیر ہے دختِ رز کی یہ بھی — ہمزاد ہے جن کی اور پری کی
شربت میں مِلا ذرا برانڈی — دیکھیں نہ کہیں جناب وحشی
گھنگھور گھٹا ہے کیا کریں ہم — جاڑا سردی ہے کیوں مریں ہم
دیکھو پیتا ہوں صاف شربت — ظن مومن ہے خیر حضرت
کپڑوں پہ مِرے چھڑک بخوبی — خوشبو لبس اس کی مجھ میں ہوگی
لو بدلی سے اب تو چاند نکلا — شرمانے لگا ہر اک ستارا
کچھ پھولی ہے چاندنی چمن میں — ہے بوئے عروس یاسمن میں
سوسن سنبل گلاب چمپا — لالہ نرگس چنبیلی بیلا
کیا ورد سفید و زرد و احمر — اک شاخ میں پھولے ہیں برابر
نسبو قدوس و ارغواں ہے — عبہر صد برگ و زعفراں ہے
کیا رنگ گُلِ فرنگ کا ہے — فرگٹ من ناٹ دیلیا ہے
شمشاد و چنار و سرو آزاد — مہندی گُل مہندی مثلِ ہم زاد
تالاب میں دیکھو نیلوفر کو — لہرآئے نہ ہے کے کیوں جگر کو
پھولوں کے نام سے ہو دفتر — اخبار میں یہ سمائے کیوں کر
پیالے ساقی پلاتے ہو کیا — سٹ روز کے پھول لاتے ہو کیا
پلواؤ مجھے مے محبت — شادی سے کسی کی ہے مسرت
بلبل قمری ہے فاختہ ہے — ڈھیری پیدا ابھی بولتا ہے
شاما ہے ہزار داستاں ہے — طوطی بھی زمزمہ کناں ہے
کویل کوکے ہے اور پپیہا — ویٹر اور فاختا کسی جا

طرہ ہیں طائرِ خوش آواز　　مطرب ہیں ہزار نغمہ پرداز

بحرِ الفت کے بے بہا در　　فیروز حسین خاں بہادر

یا سودہ کے خوب میہماں ہیں　　مدراس میں آپ ہم یہاں ہیں

ہے دل سے جو دل کو راہ بس ہے　　با یک دیگر کی چاہ بس ہے

واں جشن ہوں اس خوشی میں لاکھوں　　خم صاف ہوں مے کشی میں لاکھوں

اب دل سے دعا نسیمؔ دیجے　　اور خاتمہ مثنوی کا کیجے

نواب زماں فصیح دوراں　　جب تک دنیا میں ہو گلستاں

جب تک اشجار بار ور ہوں　　گل ہوں کلیاں ہوں برگ و بر ہوں

نوشہ اور تم ہوں شاد و فرحاں　　دشمن ہوں تمہارے زار و نالاں

شادی پسر تمہیں مبارک

بالنون وصاد و التبارک

فارسی

نعت

بیا جانانِ طبعِ پاکِ من بندِ قبا بکشا
رموز و عقدہ ہائے جلوۂ صلِّ علیٰ بکشا
بلندی می کند فکرم درِ عرشِ خدا بکشا
سعادت چتر دارد بر سرم بالِ ہما بکشا
شفیع المذنبیں بہرِ خدا کن گوشۂ چشمی
الٰہی چشمِ دل را از برائے مصطفیٰ بکشا
پریشاں خاطرانت جمع گشتند از بلا برہاں
تو یکتائے جہانی طرّہ و زلف دوتا بکشا
قیامت کن ببیں بہ چشمِ خویش افتادہ است
لبِ جاں بخش صد عیسیٰ دمِ بہرِ ادا بکشا
ہمیں اک آرزو درم ادا کن یا حبیبِ حق
زبانم را ز نامِ پاکِ تو وقتِ قضا بکشا
بیانِ نقطۂ خالت چگونہ دو جہاں دارد
نسیمِ جاں فدائے نافۂ مشکِ خطا بکشا

خیالِ زلف او خاطر پریشاں می کند دل را
زیادہ چوں شود سودا کند دیوانہ عاقل را
نصیحت ہای مابیدار کے سازد سیہ دل را
کہ قرآن و حدیث افسانۂ خوابست غافل را

طپانم در فراقت چوں شراب و نقل را خواہم
بنا شد فکر آب و دانہ ہرگز مرغ بسمل را

مثال موج و دریا قرب دارد یا علی حلّش
عنایاتِ الٰہی می شمارم وقتِ مشکل را

دریں امیدواری خاک گشتم اے بُتِ ہندو
کہ بہرِ عیدِ گوری بیخرد آں لعبتِ گل را

مکن جیب سوالش را نسیم بادہ کش خالی
اگر چیزے نداری بوسہ اے دِہ دستِ سائل را

ابروِ بغمزۂ چو بگوید پیامِ دوست
دل را رسد زگوشہ چشمے سلامِ دوست

ساقی شد آں پری و رقیبش کباب شد
در کامِ ما رسید چو جاں مے زجامِ دوست

بر کرسیش خیال زعرشِ بریں گذشت
از نردبانِ شوق چو رفتم ببامِ دوست

در درگہِ خداست دعاے مدامِ ما
ہم بزم و ہم پیالہ کن و ہم کلامِ دوست

در گل خیالِ روے او آورد رنگ و بو
وردِ زبانِ جانِ نسیم است نامِ دوست

؎ گوری کی عید ہندوؤں کا تہوار ہے جب ہندو بتانِ گل خرید کر پوجتے ہیں

دوش در خواب رخم بر رخ نیکوے تو بود
در برم آہ چہ سر و قد دل جوے تو بود
نیست بے وجہ ملک سجدہ بہ آدم کردند
پیش نقاش ازل این خم ابروے تو بود
چون نسوزد دل طور اے شہ لولاک لما
چشم بر موسی عمران و سخن سوے تو بود
چون وزیدی تو بخندہ گل خوش خوے نسیم
شوخی و ناز و غضب این ہمہ بر روے تو بود

نالہ رسد بعرش و بجانان نمی رسد
بلبل پرد مگر بہ گلستان نمی رسد
بے برگیم ببین کہ بہ ظلش کنم بسر
چون نخل زیر سایہ کہ باران نمی رسد
ساقی ز چشم و خط لبت بوسۂ بدہ
تا دور جام دودہ ریحان نمی رسد
مفت آمدست چون نکنی امتحان بشوق
سرخی جان سپاریم از پان نمی رسد
از ابروش زیادہ دلم خستہ حال کرد
بہر الم ہم بدست بجیوان نمی رسد
از دل چو بر زبان قلم آید و پرد
شعرم عجب پریست بدیوان نمی رسد
بنویسم و دہم بغم عشق اے نسیم
جز طبع نظم ما بسخندان نمی رسد

سالہا گشت بما از تو سلامے نرسید
قاصدے نامہ برے پیکے پیامے نرسید
چہ قدر گوہر اشکم بہ نثارت آمد
بر لب لعل تو از مہر کلامے نرسید
قیس و فرہاد دریں راہ زپا افتادند
بمقامے کہ شدم ہیچ کدامے نرسید
گشت در لمحہ اے صد بار قیامت برپا
روز ہجران تو چوں باز بشامے نرسید
نیست مخمور دریں مے کدہ مثل تو نسیمؔ
بادۂ مستی آں چشم بجامے نرسید

خاک گشتم عشق گیسوے تو بیدارم ہنوز
اے بت ہندوے مہ رو در گرہ چارم ہنوز
نرگس شہلاے مرقد نذر آہو می شود
در خیال شوخی ہاے چشم بیمارم ہنوز
آں مسی مالیدہ لب از مہر ہلنیم نگذرد
روز محشر گشت روشن در شب تارم ہنوز
در بہشت عدن ہم رویش فراموشم نشد
رشک رضواں می برد از شور انکارم ہنوز
از ازل چوں دزد بردی خواب و آرام نسیمؔ
در امید وصل تو چوں بخت بیدارم ہنوز

قبا در موسمِ گل شد گریبانے کہ من دارم
کہ دارد بر جنوں احساں چو احسانے کہ من دارم
دلِ صد چاکم از جرأت کند یاد ز خشِ بے باک
بشوقِ آتشں خورد شیر نیستانے کہ من دارم
چو دیدہ باز کردم حالِ دُنیا گشت آئینہ
مگر جامِ جم است ایں چشمِ حیرانے کہ من دارم
بسوزانم جہاں را خود سپند و عود بر آتش
عیاں سازم اگر آں سوزِ پنہانے کہ من دارم
نوشتم اے نسیم آیاتِ نورِ مصحفِ صورت
ہماں تفسیرِ قرآن است دیوانے کہ من دارم

آمد بہار و ابر گہر بار چوں کنم
ساقی بیار بادہ کہ انکار چوں کنم
در ماتم رقیب شریکم بروے یار
از شادمرگیِ دلم اظہار چوں کنم
بختم نگر کہ فتنۂ محشر بخواب رفت
چوں دم بخود نشینم و بیدار چوں کنم
دی شب زدو صف زلف بکشتم رقیب را
چوں ایں خبر رسد بہ دلِ دار چوں کنم
پرہیز کن براے خدا از نگاہِ گرم
گردید چشمِ مست تو بیمار چوں کنم
آں قطرۂ عرق کہ بر رخسارِ آتشیں
نسبت باب گوہرِ شہوار چوں کنم

از عشق چشم خویش خلش ما خبر نشد
بیگانہ ہست محرم اسرار ، چوں ک
در عید ہم حرام نشد روزہ داریم
عشق لب است از رطب افطار چوں ک
در دل ہجوم ذرہ نشد از مہر یوسفم
ترسد اگر ز گرمی بازار ، چوں ک
اے حور بے تو لمحہ جنت جہنم است
عمرے بسر بصحبت اغیار ، چوں کنم

تضمین غزل واقف

گاہے نہ نوشد صہبا دلِ من — تصویر سنگ است گویا دل م
ناداں دلِ من دانا دلِ من — ہر غنچہ بشگفت اِلّا دلِ م
اے وا دلِ من اے وا دلِ من

در دیر چوں روے صنم را — دانست خورشید روے صنم ر
ناداں چہ فہمید روے صنم را — آخر پرستید روے صنم ا
کافر دلِ من ترسا دلِ من

مجنوں ناداں یارب چہ سازد — در کوے جاناں یارب چہ ساز
از جورِ درباں یارب چہ سازد — با سنگِ طفلاں یارب چہ سا
نازک دلِ من مینا دلِ من

معشوق گہے گشت از قبح ایمن — سوز د سراپا چوں شمع روشر
سیمابی او سیمابی من — از فرط اُلفت وارد طپید

آن جا دل او ایں جا دلِ من

مثلِ نسیمؔ آں ترسا در آمد
یک جانِ تازہ با دل بر آمد

گویدرقیبش آب از سر آمد
واقف سرِ شکم دنگیں بر آمد

امروز خون شد آیا دلِ من

در ہر نگہ تیرے برّد بر دل برنگِ دیگرے
خورشید رو ابرو کماں زہرہ جبیں مہ پیکرے

سروِ رَواں گُلِ چہرۂ قامت قیامت را سبق
عشوہ شفیع انس و جاں ختم رسل پیغمبرے

رشکِ بتانِ آذری شاہنشہِ جنّ و پری
کانِ ملاحت لعلِ لب بحرِ احد را گوہرے

شیریں سخن معجز بیاں جادو ادا فرماں قضا
سلطان اقلیم حیا چوں ماہ کنعاں دلبرے

جانِ نسیمؔ جاں فزا عشرت دہِ روحِ صبا
از جملہ قدسی خوب تر از جملہ عالم خوشترے

تہنیت نامہ

بہ کتخدائی فرزند ارجمند نواب صاحب باسودہ

نوشہی نوشہا مبارک باد
وصلِ یوسف لقا مبارک باد

شد نکاح تو حسبِ شرع شریف
جلسۂ اتقیا مبارک باد

رسمِ سہرا و ساچق و کنگن
جلوۂ دل ربا مبارک باد
کلغی و طرّہ مرصّع نگار
گوہرِ بے بہا مبارک باد
چاکرِ الفت تو گشت نسیمؔ
بندۂ بے ریا مبارک باد

تاریخ کتخدائی فرزندار جمند نواب صاحب باسودہ

سال تاریخ عروسی چہ خوش آمد ز نسیمؔ
جلوہ شادی نوشاہ مبارک باشد

نعت

کعبۂ مقصودِ عالم ہے ترا در یا نبیؐ
قدسیوں کے سر ہیں سنگِ آستاں پر یا نبیؐ

وصفِ عارض کون کر سکتا ہے کس کو ہے مجال
مثلِ آئینہ ہو جب حیراں سکندر یا نبیؐ

جان لیں کحلِ جواہر مردمِ چشمِ ملک
گر ملے کچھ خاکِ نعلینِ منوّر یا نبیؐ

چرخ کو چکر ہے بجلی لوٹتی ہے خاک پر
ہجر سے روتی ہیں آنکھیں ابر بن کر یا نبیؐ

یہ تمنّا ہے کہ جس دم ہو بپا شورِ نشور
قبر سے مجھ کو نکالے تیری ٹھوکر یا نبیؐ

میں تمنائے زیارت میں ہوں پیوندِ زمیں
پہنچنے دیتا نہیں چرخِ ستم گر یا نبیؐ
ہے قدم بوسی کے شوق و ذوق میں عاصی نسیمؔ
چشم گریاں سینہ بریاں دل مکدّر یا نبیؐ